فہرست

مضامین **صفحہ**

قرآن مجید کا موضوع
وجود انسانی کے حصے اور مراتب
انسان کا مقصد حیات
قران مجید کی پوزیشن
تقدیر کا صحیح مفہوم
قرآن میں سورہ یٰسین کا مقام
فلاح ونجات کا مرکزی نکتہ
فلاح ونجات کا مرکزی نکتہ
سورہ یٰسین کا بنیادی موضوع
سورہ یٰسین کو قلب القران کہنے کی توجیہہ
سورہ یٰسین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل
صراط مستقیم سے کیا مراد ہے؟
رسول کی تعلیم وتبلیغ کو قبول کرنے والوں کی علامت
امام مبین سے مراد
اصحاب القریہ کی صحیح توجیہہ

قرآن میں کوئی دعویٰ پیش کرنے کا اسلوب
دل مردہ کس طرح دل بیدار بن سکتا ہے!
ہر چیز میں جوڑے
سورج اور چاند کا باطنی مفہوم
رسول اور تنظیم امت کی کشتی
مال ودولت کا انفرادی اور اجتماعی پہلو
انفاق فی سبیل اللہ اور حضور اور صحابہ کی مثال
انفاق فی سبیل اللہ کفار ومشرکین کا طرز عمل
مَتٰی ھٰذَ الْوَعْدُ کا صحیح مفہوم
اِھْبِطُوْ مِنْھَا کا اصل باطنی مفہوم
قیامت میں اعضائے جسم کی گواہی
مخالفین کا الزام۔ قرآن شعر اور رسولؐ شاعر ہے!
اِلٰہ کے معنی
معبودان باطل کا صحیح مفہوم
مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ (ہر شے کی ملکوت) سے مراد!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید قرآن مجید

موضوع قرآن

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بہ حیثیت نظریہ واعمال واقوال واخلاق روح ومبداء ومعاد موضوعِ قرآن ہے۔

لہٰذا فہم قرآن کیلئے ضروری ہے کہ ہمیں کم از کم انسان کی حقیقت کا اجمالی نقشہ معلوم ہو۔ تاکہ قرآن مجید انسان کی جس حالت کی تشریح بیان کررہا ہے وہ ہم سمجھ سکیں کہ فلاں اجمالی حالت واحکام بیان ہورہے ہیں جیسے کہ علم طب کا موضوع جسم انسان بہ حیثیت صحت ومرض وحالتِ درمیانہ ہے۔ تو جب تک انسان کے جسم کے اجزاء عنصری وقویٰ طبعی وغیرہ معلوم نہ ہوں۔ اس وقت تک علم طب جس میں انسان کے بدن کی بحث ہوتی ہے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس مشابہت میں اَلۡعٰلَمِیۡنَ کی طرف امام شافعیؒ نے اشارہ کرکے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلۡعِلۡمُ عِلۡمَانِ عِلۡمُ الۡاَدۡیَانِ وَ عِلۡمُ الۡاَبۡدَانِ علمِ دینی اور علمِ بدنی!

انسان کی امورِ طبعی وفطری۔ ظاہر انسان، باطن انسان

اب ہم انسان کے امورطبعی وفطری مختصراً عرض کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے

وجود پر توجہ کریں۔ تو اوّل نظر میں بلا کسی تحقیق وتدقیق کے دو چیزیں نظر آئیں گی۔ ایک ظاہری جسم وڈھانچہ گوشت پوست وغیرہ۔ دوسرے اس جسم کے اندر ایک قوّت، روح یعنی ایک غیر مرئی شے ہے۔ جس کے ساتھ ہمارے جسم کا قیام وبقا اور نقل وحرکت وابستہ ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں تعبیر کریں گے۔ کہ ہمارے وجود کے دو حصے ہیں، ظاہر وباطن یا جسم وروح۔ تو انسانی خلقت دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک جسمانی خلقت اور دوسری روحانی خلقت

بدنِ انسان کی حقیقت

جسمانی ساخت کی ابتداء مٹی سے ہے پھر سلسلۂ تناسل نطفہ سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمۡ وَنُقِرُّ فِی الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ط

(سورۃ الحج رکوع ۱)

جسم انسانی کے مختلف مراحل۔ روحانی حالت!

اور روحانی خلقت کی طرف یہ اشارہ ہے۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ . .... وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

حقیقتِ روح

یعنی روحانی حقیقت ایک امرِ رَبِّی ہے۔ جس کی بابت عام لوگوں کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔ کیونکہ روح مادی الاصل نہیں ہے۔ اس لئے مادی قویٰ سے اس کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے روحانی قوّتیں درکار ہیں تب جا کر اس کا پورا پتہ لگ سکتا ہے۔

انسان کی حقیقت واصلیت

اور یہی روحانی حقیقت انسان کی اصلیت ہے اور عالم ارواح سے بالا مقام جبروت و لاہوت ہے۔ جو کہ حقیقی انسان کا حقیقی مقام اور وطن ہے۔ اقبال نے اس مقام کی بابت کہا ہے

اے طاہر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

انسان کی روحانی مراتب کی تقسیم

اور جیسے کہ جسمانی صورت میں مختلف مراتب ہیں۔ مٹی، نطفہ، علقہ، مضغہ، مصوّر، بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ اسی طرح روحانی حالات بھی کئی ایک ہیں۔ صورت مثالی روحانی جبروتی ولاہوتی، جیسے کہ عارف رومیؒ اس بیان کو یوں فرماتے ہیں۔

بشنواز نے چوں حکایت می کند — قصۂ ہجران روایت می کند
کز وجودِ مطلقم چوں کند اند — من بہ گریہ، مردمان درخندہ اند
حالِ زار من نہ داند ہر کسے — ہستم اندر آتشِ غم چوں خسے
چوں ز قوسِ احدیت منزل شدم — خود بہ خمِ واحدیت حل شدم
منزلِ لاہوت راکردم عبور — کردم از جبروت اسمی ہم مرور
رفتہ رفتہ عالم ملکوت شد — عالم روحانی منعوت شد
بعدہٗ در عالمِ ملک و شہود — گشت ظاہر جملہ اطوارِ وجود
منتہائش عالمِ ناسوت گشت — زیں تنزلہا دلم مبہوت گشت

انسان کی غرض پیدائش۔ یعنی معرفتِ حق

اب جبکہ اجمالاً انسان کی ظاہری اور باطنی حقیقت معلوم ہوگئی تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کا اصل وطن وہی عالمِ بالا یا عالمِ باطن ہے وہاں سے مسافر ہوکر منزل

یہ منزل موجودہ وجود کو پہنچا ہے۔ مقصد اس سفر سے معرفتِ خداوندی تھی اور اُس کے رنگ میں مزید رنگنا تھا۔

تعریفِ تقویٰ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ.......اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ جیسے کہ دانہ زمین میں مل کر اور اس میں فنا ہو کر پھر از سرِ نو نشو و نما پا کر اپنی ہستی کو اور بڑھاتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی مراتبِ نزول و عروج میں اپنے قلبی تعلق کو کسی چیز کے ساتھ مستقل نہ رکھے بلکہ ایک رہرو مسافر کی طرح ہر منزل و مقام سے مناسب وقت پر استفادہ کر کے آگے بڑھے اور اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

فلاح ونجات کی حقیقت

چونکہ عالمِ بالا انسان کا مرکز و مبداءِ وطن ہے۔ اس لئے اگر اُس نے اپنے دامنِ دل کو ان تمام منازل کے تعلقات کے کانٹوں سے بچا کر صحیح و سالم اپنے وطن و مرکز پر واپس پہنچایا تو یہی انسانی فلاح و نجات کی حقیقت ہے۔

ہلاکت کی حقیقت

اور اگر ان منازلِ مذکورہ میں سے کسی منزل پر رُک گیا اور اُس جگہ کے تعلقات کو دامنِ دل میں جگہ دی تو تباہی و بربادی ہے۔ پہلی صورت کا نام تقویٰ اور دوسری کا نام خُسران ہے۔ خُسران لغت میں بُعد اور ہلاکت کو کہتے ہیں۔

غرضِ قرآن

اس منزل کی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت نے انسان کو ایک ہدایت نامہ دیا ہے۔ تاکہ اُس پر عمل کرتے ہوئے تمام منازل کو کامیابی سے طے کر کے پھر اپنے عروجِ اصلی پر پہنچے۔ اس کے متعلق مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

روح سوئے قوسِ احدیت رود کے بود یارب کہ معراجم شود
قطرہ سوئے بحرِ اخضر عازم است ہر تنزّل را عروجے لازم است

صراطِ مستقیم یا قرآن کی حقیقت یا غرض و غایت

وہ ہدایت نامہ مختلف زبانوں میں حسبِ وقت و حالت انسان کو دیا گیا ہے۔ جس کا آخری، مستقل اور دائمی ایڈیشن قرآن مجید ہے۔ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ انسان کی ترقی اور عروج یہ ہے کہ وہ خدا کے رنگ میں رنگ جائے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ بن جائے۔ حدیث شریف تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ پر عامل ہو۔ اور یہ تب ہو گا کہ انسان میں خدا کی دیگر صفات کے علاوہ ایک صفت مُرید یعنی با اختیار رہنا بھی موجود ہو۔

شریعت

جب یہ اپنے ارادے سے اپنی ترقی کی منازل طے کرے تو اُس کو سابقہ حالت سے کئی گنا عروج ہوگا۔ لہٰذا انسان کا اس ہدایت نامۂ خداوندی پر عمل کرنا

شریعت،طریقت اورعملِ صالح ہے۔

جنت

جب خوشی سے اس پر عامل ہوجائے۔تو آخری منزل کا نام ''جنت'' ہے

دوزخ

اور اپنی مرضی واختیار سے جب اس ہدایت نامہ پر عمل نہ کرے۔اس سے انکار کرے تو اس رفتار کی آخری منزل ''دوزخ'' ہے

قیامت

جس دن ان تمام منازل سفر کے اجتماعی نتائج نازل ہونگے۔اُس وقت کا نام ''قیامت'' یا ساعت ویومِ آخرت ہے

پیغمبر یا نبی

اور جس کامل انسان پر یہ ہدایت نامہ دیگر انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل ہوجائے۔ اُس کا نام پیغمبر یا نبی ہے۔ان میں آخری،افضل اور اکمل انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ اَنَّهٗ بَشَرٌ۔وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

ملائکہ کی حقیقت

خدا اور اس کامل بندے کے درمیان اس ہدایت نامہ کی تکمیل میں بعض نفوسِ قدسیہ کام

کرتے ہیں۔اُن کا نام فرشتے یا ملائکہ ہیں

تقدیر کی حقیقت

اب ایک اور بات غور طلب ہے۔تمہیں یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک کاشتکار درخت یا فصل کی کاشت سے پہلے اپنی فنی مہارت سے اجمالاً یہ جانتا ہے کہ اس دانہ یا درخت کے بیج میں نشو ونما کی اتنی طاقت موجود ہے۔اتنے دنوں تک پھل دے گا یا اتنے دنوں کے بعد پھل دینا بند کردے گا۔فلاں فلاں اس کے امراض ہیں اور فلاں فلاں تدبیریں اس کی صحت وترقی کی ہیں۔ان تمام امور کو ذہن میں رکھ کر وہ اس کی کاشت شروع کر دیتا ہے۔اور پھر تفصیلاً حسبِ موقع وحالت ان تدابیر پر عمل کر کے دانہ یا درخت کی ابتدا وانتہا کو دیکھ لیتا ہے۔اسی طرح دانۂ انسان اور شجرِ آدم کے کاشتکار یعنی اللہ تعالیٰ نے (قبل از پیدائش) انسان کی استعداد وفطرت کو دیکھ کر ایک نوشتہ محفوظ کرلیا ہے۔کہ بعد میں انسان کی پرورش اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی کا نام ''تقدیر'' لوح محفوظ یا علم خدا وغیرہ ہے اور اس نوشتہ کے آخری فرمان کا نام ''قرآن مجید'' ہے۔

ایمان بالغیب

ابھی ابھی معلوم ہو چکا کہ انسانی منازلِ نزول وعروج مختلف ہیں اور ہر ایک انسان خود بخود بلا کسی مدد غیر کے اس پر عالم نہیں ہے۔اس لئے انسان کے عروج وترقی اور فلاح ونجات کے لئے دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ غیر معلوم اشیاء یعنی ایسی

منازل اور اُن کے لوازم پر یقین رکھے جن کا ادراک ابھی تک اس کے مادی قویٰ نہیں کرسکی ہیں۔

نبی واجب التعمیل ہوتا ہے

دوم یہ کہ انسان کو اس حقیقت کا علم اور یقین ہو کہ ایک کامل ہستی انسانی رہنمائی کے لئے مقرر کی گئی ہے۔اس لئے اس کے ہر حکم پر بلاچون وچرا عمل کرے۔ اگرچہ اُس کے ظاہری قویٰ اس حکم کا فائدہ ونقصان معلوم نہ کرسکیں۔!وَ مَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ

مسلمان کی حقیقت

جب یہ سارا مضمون سمجھ میں آجائے تو جان لینا چاہئے کہ جو انسان ان تمام کڑیوں پر یقین رکھ کر عامل ہوتا ہے اسے اصطلاح میں مسلمان کہتے ہیں۔

کافر کی حقیقت

اور جو انسان ان کڑیوں کا یا ان میں سے بعض کا منکر یا بے عمل ہو اسے عرفِ عام میں کافر اور فاسق کہا جاتا ہے!۔

مقدمۂ سورۂ یٰسٓ

تمہیدی باتیں ختم ہوچکیں۔اب مقدمۂ سورۂ یٰسٓ شروع کرتے ہیں قرآن

سے جن مسائل سے عموماً بحث ہوتی ہے۔وہ ہر مضمون وحکم کے لئے بہ منزلہ اصل وبنیاد ہیں۔یہاں وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں۔جن کو ہم قرآن کی دو سورتوں سے آپ کے سامنے بیان کریں گے۔وہ دونوں سورۂ یٰسٓ اور سورۂ فاتحہ ہیں۔سب سے پہلے سورۂ مبارکہ یٰسٓ پر بحث کرتے ہیں۔

سورۂ یٰسٓ کے متعلق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔لِکُلِّ شَیۡءٍ فُؤَادٌ وَفُؤَادُ الۡقُرۡاٰنِ یٰسٓ ہر شے کا دل ہوتا ہے اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰسٓ ہے۔چونکہ سورۂ یٰسٓ قلب القرآن ہے اس لئے اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی مدد سے آپ تمام قرآن کو بہ آسانی سمجھ سکیں گے۔

سورۂ مبارکہ یٰسٓ مکّی ہے۔اس میں پانچ رکوع اور تریاسی آیات ہیں اور سالِ نزول نبوی ہے۔جب اعلانیہ تبلیغ کا تیسرا سال تھا اور مسلمانوں پر کفار کے سخت ظلم وتشدد کی وجہ سے حبشہ کی طرف اُن کی ہجرت شروع ہوئی تھی۔عرب مخاطبین کے دونوں طبقے حبشہ کی عیسائی قوم کے مذہب اور نظریات سے کچھ کچھ واقف تھے۔ اسلامی تحریک سے لوگوں کے ذہنوں اور دماغوں میں ایک ہیجان وانقلاب برپا ہوا تھا۔مخالفینِ اسلام کا اسلامی اصولوں پر اعتراضات کا زمانہ تھا یہی وقت تھا۔جب قرآن مجید نے انہیں مختلف دلائل سے سمجھانے کا طریقہ وانداز اختیار کیا۔

تمہید میں آپ پڑھ چکے ہیں۔کہ خدا کی طرف سے بندوں کی اصلاح ونجات کے لئے جو ہدایت نامہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (جبرائیل کی

وساطت سے) نازل ہوا۔ وہ قرآن مجید ہے۔ جس کا ایک سرا وحدت ہے اور دوسرا وہ جس کی طرف رسول کو بھیجا گیا۔ یعنی مرسل الیہ ہے۔ اور لوازمات رسالت مومنین، مصلحین اور منکرین کی جماعتیں ہیں یہ سارے مسائل سورۂ یٰسٓ میں بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) رسالت، (۲) صراطِ مستقیم (۳) غرض بعثتِ رسول، (۴) مخاطبین کی اقسام بہ اعتبارِ (۵) قبولیت و عدمِ قبولیت (۶) اسبابِ انکار (۷) انجام (۸) متقین ومنکرین۔

سورۂ یٰسٓ کے پہلے رکوع میں یہ سارے دعاوی بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے رکوع میں ایک تاریخی واقعے کے ذریعے رسول اور مرسل الیہ کا حال بیان کر کے منکرین و مصلحین اور اُن کے طرزِ علم پر دونوں کے نتائج پیش کر دئے گئے ہیں۔ اور آخر میں ہر رسول کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے۔ اسے بھی بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے رکوع میں قرآن مجید اور اُس کے فوائد و برکات کو کئی مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ پہلی مثال میں نفسِ انسان کو بہ منزلۂ زمین، قرآن مجید کو بارش اور عمل صالح کو فصل سے تشبیہہ دے کر سمجھا دیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح مُردہ بنجر زمین بارش کی وجہ سے تازہ و سرسبز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مُردہ دل بھی بارانِ وحی سے زندہ بیدار و باعلم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جیسے ہر زمین بارانِ رحمت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی اسی طرح ہر نفس بھی قرآنی تعلیم سے زندہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مستعد اور باصلاحیت نفوس ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تیسرے رکوع کی پانچویں اور چھٹی آیات میں تبلیغِ حق کو سورج کے ساتھ تشبیہہ دے کر بتایا گیا ہے۔ کہ نفسِ انسانی کی زمین کے لئے آسمانِ روحانیت میں ہم

نے آفتابِ حق کا کُرّہ قائم کیا ہے۔ منکر نفوس کے انکار کی پاداش میں جب حق کے سورج کو ان کے لئے غروب کر دیں۔ تو وہ اندھیروں اور ظلمتوں میں گھر کر رہ جاتے ہیں(۱)۔ لوحِ محفوظ یا علمِ الٰہی میں غالب رب کا یہی اندازہ تھا۔ کہ آفتابِ حق اپنے کُرّہ پر مقررہ چکر کاٹے گا۔ جو چاہے اسے تسلیم کر کے فائدہ اٹھائے اور جو چاہے انکار کر کے نقصان اٹھائے۔ ساتویں اور آٹھویں آیات میں حق کو سورج اور فائدہ اٹھانے والے کو چاند سے تشبیہہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ کہ قومیں ہدایت یافتہ ہونے کے بعد پھر بھی گمراہ ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد پھر بھی ہدایت پا سکتی ہیں۔ حق کا سورج کسی کے اقرار و انکار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مقررہ دائرے پر ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور کسی کے کفر و انکار کی اندھیری رات اُس کو چھپا نہیں سکتی۔ نویں اور دسویں آیات میں دینِ حق کو بری و بحری کشتی سے تشبیہہ دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح تباہی سے بچنے اور منزل مقصود پر جلد پہنچنے کے لئے بَری اور بحری سواری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح قافلۂ انسانیہ کے منزل مقصود پر جلد اور کامیاب پہنچنے کے لئے حق کی کشتی بہت ضروری اور لازمی ہے(۲)۔

(۱) یعنی جب قوموں کے دل و دماغ آفتاب حق سے روشنی لینا ترک کر دیں۔ تو وہ قومیں ظلمتوں میں گھر کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب نور نبوت سے فیض حاصل کرلیں تو دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔

(۲) مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ تَمَسَّكَ بِهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میری امّت کی مثال کشتی نوح کی ہے۔ جس نے اسے تھام لیا نجات پا گیا اور جس نے اسے ترک کیا وہ غرق ہو گیا۔

بہرایں فرمود پیغمبر کہ من ۔۔۔ ہمچو کشتی ام بہ طوفان زمن
مو اصحابیم چوں کشتی نوح ۔۔۔ ہر کہ دست اندر زند یا بد فتوح
چونکہ با شیخی تو دور از ذشتی ۔۔۔ روز و شب سیّاری و در کشتی
مگسل از پیغمبر ایّام خویش ۔۔۔ تکیہ کم کن برفن و برگام خویش
گر چہ شیری چوں روی رہ بے دلیل ۔۔۔ ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل

ہیں مپر الّا کہ باپر ہائے شیخ　　　تا بہ بینی عون لشکر ہائے شیخ

(مثنوی معنوی)

اَحَلَّ اُمَّتَہٗ فِیۡ حِرۡزِ مِلَّتِہٖ ۔ کَاللَّیۡثِ حَلَّ مَعَ الۡاَشۡبَالِ فِیۡ اَجَمِ

لہذا اللہ فرماتا ہے۔ یہ ہماری رحمت کا تقاضا ہے کہ ہم نے انسانوں کی حفاظت کیلئے ملّتِ حق کی گاڑی بنادی۔ جس کے چلانے والے (ڈرائیور) نبی یا نائبین نبی ہیں یہ کشتیاں اپنے اپنے مقررہ وقت پر چل رہی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی انکار یا غفلت کا شکار ہوکر اُن پر بروقت سوار نہ ہوا۔ تو اُس کی تباہی و ہلاکت یقینی ہے (مَنۡ شَذَّ ، شُذَّ فِی النَّارِ) چوتھے رکوع (از اول تا اخر) میں اہل حق اور اہل باطل کے انجام بیان کئے گئے ہیں۔ اور بعض اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات دینے کے بعد تنبیہہ کی گئی ہے۔ پانچویں رکوع میں گذشتہ چاروں رکوعوں کے مضامین مختصر طور پر دُہرا کر اُن سب کا ایک خلاصہ یا لب لباب دیا گیا ہے

اکثر و بیشتر مفسرین نے سورۂ مبارکہ یٰسٓ کا موضوع اور مرکزی خیال ''توحید'' بتایا ہے۔ میں اپنی تحقیق کی روشنی میں کہتا ہوں کہ سورۂ مبارکہ یٰسٓ کا موضوع اور مرکزی تصور توحید کے ساتھ رسالت ہے

درس نمبر ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔　　　سورة یٰسٓ

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ
قَوۡمًا مَّآ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰٓی
اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ
اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا
وَّمِنۡ خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ
عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّاَجۡرٍ
کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَہُمۡ
وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمہ

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ

اے انسان یا اے مخاطب (مراد رسول اللہؐ ہیں) یہ حکمت بھری ہوئی کتاب گواہ ہے ''وَ'' قسم کے لئے آتا ہے۔ قسم ہے حکمت والے قرآن کی

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

کہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ

اور نزول اُس کا اُس ذات سے ہے جو غالب ہے اور رحم والا ہے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ

کہ آپ ڈرائیں بداعمالی کے انجام سے اُس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے ہیں اُن کے

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ

آباواجداد بہت زمانے تک۔ یہ غافل تھے (دوسرے معنی) کہ آپ ڈرائیں اُس سے

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ

کہ جس سے ڈرائے گئے ہیں اُن کے باپ دادا، یہ غافل ہیں ثابت ہوگیا حکم

عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

عذاب کا اُن میں سے اکثر پر تو اب یہ ایمان نہیں لاتے

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ

اور میں نے ڈال دیئے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق اور ٹھوڑی تک آئے

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ

ہیں اس لئے انہوں نے اپنے سر اوپر کئے ہیں اور میں نے بنائی ہے اُن کے آگے

سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ

(کیا چیز؟) دیوار، رکاوٹ اور اُن کے پیچھے بھی دیوار میں نے اُن کو چھپایا

فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ

ہوا ہے۔ یہ اب کچھ نہیں دیکھتے (اُن پر پردہ پڑا ہے) تو جو لوگ ایسے ہوں تو اُن

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

کے بارے میں برابر ہے اگر آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ اب ایمان

لَا یُؤْمِنُوْنَ اِنَّمَا تُنْذِرُ

نہیں لاتے (آپ کی تبلیغ اور آپ کا ڈرانا اُن پر اثر نہیں کرتا) اور آپ ڈرا سکتے ہیں آخرت

مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ

سے اور بداعمالی کے انجام سے اُس کو جو نصیحت کی پیروی کرنا چاہے

وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ

اور ڈرتا ہے اللہ سے غیب میں اس لئے بشارت دیجئے اُن کو

اَجْرٍ کَرِیْمٍ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی

بخشش کی اور بڑے اجر کی میں ہی ہوں جو زندہ کرتا ہوں مُردوں کو

وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ

اور لکھتا ہوں وہ جو انہوں نے آگے بھیجا ہے اور اُن کے اعمال کے نتائج جو پیچھے

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ

رہ گئے ہیں۔ اور ہر چیز میں نے محفوظ کی ہے لوحِ محفوظ میں (محفوظ کتاب یعنی خدا کے علم میں سب کچھ موجود ہے)

تشریح وتفسیر

سورۂ یٰسٓ قرآنِ مجید کی مشہور و معروف سورت ہے اس سے پہلے سورۂ سبا پانچویں نبوی میں اور سورۂ فاطر چھٹی نبوی میں نازل ہوئی تھیں اور سورۂ یٰسٓ کا نزول ساتویں اور آٹھویں نبوی کے وسط میں ہوا تھا۔ اس کے مضامین سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین اور کفار کے ساتھ خطاب میں رفتہ رفتہ سختی آ رہی ہے۔ جوں جوں ان کی شرارتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ توں توں انکار زیادہ ہوتا گیا۔ اسی نسبت سے قرآن کا جواب بھی سخت ہوتا گیا۔ یہی زمانہ اس کے نزول کا ہے

اُس وقت مخالفین و کفار کا سارا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ تھا۔ جب تک حضورؐ نے رسالت کا دعویٰ نہیں کیا تھا تو وہ ایک نہایت معزز، عقل مند، صادق اور دیانتدار ہستی تھے اور نہایت راحت واطمینان کے ساتھ فارغ البالی کی زندگی گزار رہے تھے مگر جونہی انوں نے نبوت کا دعویٰ فرمایا۔ تو ایسا محسوس ہوا گویا خوفناک بھڑوں نے بھڑک کر اُن پر یورش کی۔ چنانچہ ہر قسم کے اختلافات، جھگڑے،

اعتراضات اور اسی قسم کے دیگر مضامین، خواہ آخرت کے ہوں، توحید کے ہوں یا شرک کے، سب کے سب اسی ایک بنیادی مسئلے (یعنی رسالت) سے پیدا ہوئے ہیں۔ گزری ہوئی سورت میں مخالفین نے کہا تھا کہ اگر ہمارے پاس رسول آیا ہوتا تو ہم بہت نیک ہوتے! تو اس سورت میں کہا گیا ہے کہ تمہارے پاس رسول آ گیا ہے! چنانچہ اس لحاظ سے اس سورت کا بنیادی موضوع کیا ہے؟ خاص رسول کی ذات! جب اس کا مرکزی نکتہ رسول کی ذات ہو گیا۔ تو باقی تمام مسائل جو اِس سورت میں پائے جاتے ہیں۔ رسالت کے تابع ہیں۔

سورۂ یٰسٓ کے فضائل میں دو مشہور احادیث ہیں پہلی حدیث کے الفاظ ہیں ۔اِقْرَءُ وْ یٰسٓ عَلٰی مَوْتٰکُمْ. اپنے مُردوں (یعنی مرنے والوں) پر سورۂ یٰسٓ پڑھا کرو۔ اور دوسری حدیث یہ ہے یٰسٓ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ ۔ یٰسٓ قرآن کا دل ہے! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ انسانی جسم کی صحت اور سقم کا دارومدار دِل پر ہے۔ دل صحیح ہو تو سارا جسم صحت مند ہوتا ہے اور جب دل بیمار ہو جائے تو سارے اعضائے جسمانی بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سورۂ مبارکہ یٰسٓ بھی قرآن میں ایسا ہے۔ جیسا انسانی جسم میں دل! یعنی اس سورت کے مضامین پورے قرآن پر حاوی ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کو ''اُمُّ الْقُرْاٰن'' کہا گیا ہے یعنی وہ تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ یہی مفہوم ''قَلْبُ الْقُرْاٰن'' کا بھی ہے۔ ''دل'' کیا شے ہے؟ نبوت ہی ہے نا! اگر کوئی نبوت کو نہ مانے تو قرآن کہاں سے آ گیا۔ اور توحید و آخرت کا بیان بھی نبوت ہی تو کرتی ہے اگر نبوت نہ ہو تو توحید و آخرت کے مسائل بھی خارج از بحث ہونگے۔ نبی اصلاحِ معاشرہ کیلئے آتا

ہے تو اگر نبی ہی نہ ہو۔ تو اصلاحِ معاشرہ کیونکر ہوگی؟ اس تمام بحث کا مدعا یہ ہے کہ جو بھی مسائل ہیں سب مسئلۂ رسالت کے تابع ہیں۔ چنانچہ جب سورۂ یٰسٓ کے مضامین ذہن نشیں ہوجائیں تو قرآن کے تمام مضامین بھی اجمالاً سمجھ آ جائیں گے!

مرنے والے پر سورۂ یٰسٓ کیوں پڑھنی چاہئے؟ اس لئے کہ مرنے والا اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا کو جارہا ہے۔ اگر اُس وقت ایسی صورت میں اُس کا خدا کے ساتھ رابطہ پیدا ہوجائے تو کامیاب ہوگا ورنہ یہ اندھیرے میں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کا رابطہ (نبی کے واسطے اور وسیلے سے) اللہ اور آخرت کے ساتھ بہت زیادہ ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ مرنے والے کے سرہانے صرف الفاظ پڑھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ ساتھ ساتھ ہر آیت کا ترجمہ بھی سناتا رہے۔ تاکہ مرنے والا خوب سمجھ جائے اور اپنے ہمراہ اسلام کی روشنی آخرت کو لے جائے!

اب پچھلی سورت کے ساتھ سورہ یٰسٓ کا ربط بتاتا ہوں۔ پچھلی سورت (سورۂ فاطر) میں مخالفین کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس رسول آ جائے تو ہم تمام بداعمالیاں چھوڑ کر نیک بن جائیں گے۔ تو بالآخر اُن کے پاس رسولؐ آ گیا۔ مگر پھر بھی انہوں نے اپنا خُبثِ باطن، شرارتیں اور مخالفتیں ترک نہ کیں۔ یہ ساتواں آٹھواں سال ہے اور مخالفین مسلسل شرارت ومخالفت کررہے ہیں۔ شکوک وشبہات اور اعتراضات کی بھرمار ہے تو یہاں اس کا دوٹوک جواب دیا گیا ہے کہ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ آپ یقیناً رسول ہیں! لیجئے یہ دعویٰ ہوا۔ لیکن ہر دعویٰ مدلل ہونا چاہئے صرف اٹکل سے کام نہیں ہوتا کہ کوئی کہے کہ میرا خیال یوں ہے یا فلاں کے رائے یوں ہے! اس لئے اس دعوی

کی دلیل کیا ہے؟ جب قرآن مشرکین سے خطاب کرتا ہے تو وہ رسول اللہؐ کی رسالت کو دعوی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ حضورؐ کی رسالت کی دلیلیں بہت ہیں اور قرآن میں اپنے اپنے مقام پر آئیں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہاں اس کی کیا دلیل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ حکمت سے مملو کتاب ہے۔ اس میں راز ہیں۔ عبرتیں ہیں اور حکمتیں ہیں بشرطیکہ کوئی اس پر غور وتدبر کرے۔

اس لئے ارشاد ہوتا ہے یٰسٓ! اے مخاطب! اے انسان کامل! حکمت سے بھرے ہوئے اس قرآن کی قسم کہ آپ رسول ہیں! قسم کا مطلب گواہ ہے! یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ قسم تو انسان کھاتا ہے۔ خدا کو قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ در اصل عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی بات کو محکم اور مضبوط کرنا چاہتے تو اُس کے ساتھ قسم کھاتے۔ اس لئے قرآن میں بھی مخاطبین اوّل کے ذہنوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایسا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ قرآن ایک پُرحکمت کتاب ہے۔ اگر تم اس پر سوچو اور اس کے مضامین پر غور وتدبر کرو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے جو اُس کے رسولؐ کے ذریعے لوگوں کے پاس آیا ہے! چاہئے تو یہ تھا کہ یہ الفاظ یوں ہوتے۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰه! لیکن اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه کی بجائے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ارشاد ہوا۔ ذرا قرآن کی فصاحت ملاحظہ کیجئے! آپ بھی رسولوں میں سے ایک رسول ہیں! اس میں بھی ایک دلیل آ گئی۔ گذشتہ سورت میں کہا گیا تھا کہ نبوت اور رسالت کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کل انسانیت کے لئے ہر زمانے میں رسالت کا اہتمام ہوتا آیا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ

قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. ہر شہر اور ہر قریہ میں ہر انسانی گروہ کو بداعمالیوں کے انجام سے ڈرانے والا ایک رسول، ایک پیغمبر آیا ہے۔تو جب اور رسول آئے تھے اور اُن کی رسالت سے انہیں انکار نہیں تھا۔تو پھر محمد صلی الہ علیہ وسلم کی رسالت سے کیوں منکر ہیں؟ حالانکہ حضورؐ کوئی نئے رسول نہیں اور نہ انہوں نے کوئی انوکھا دعوٰی کیا ہے۔ بلکہ جماعتِ مرسلین کے ایک نامور فرد ہیں۔اور انہوں نے بھی وہی دعوٰی کیا ہے جو گزشتہ انبیاء ومرسلین کا دعوی تھا۔

انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے رسول ہونا چاہئے اس لئے کہ انسان اپنی اصلاح خود نہیں کرسکتا۔نہ ہی اپنے لئے کوئی آئین وقانون بنا سکتا ہے اللہ تعالیٰ عالم ہے، حکیم ہے اور دانا و بینا ہے۔وہ انسانی معاشرے کیلئے جو قانون بنائے گا تو وہ اس کی ہدایت ہوگی۔ وہ یہ ہدایت کسی انسان ہی کے ذریعے انسانوں کے پاس بھیجے گا۔مگر ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ خدا اُس کو اپنی کتاب دیدے۔اس لئے انسانوں میں ایک ممتاز فرد کو یہ فرض حوالہ کیا جاتا ہے۔یہی رسول ہے! مگر حضور پُر نورؐ کی رسالت پر سب سے بڑی دلیل قرآن ہے۔قرآن بار بار کافروں سے کہتا ہے۔**فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ** اگر تمہیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر شک ہو تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ! آج تک (چودہ سو سال گزرنے کے باوجود) دنیا میں کوئی بھی قرآن کے اس چیلنج کا مقابلہ نہ کرسکا! عرب تو دنیا کے سب سے زیادہ فصیح وبلیغ لوگ تھے۔انہوں نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔مگر بالآخر اُن کو بھی تھک کر **مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ** کی صورت میں اعترافِ عجز کرنا پڑا!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کے درمیان چھوٹے سے بڑے ہوئے۔نبوت سے پہلے چالیس سال بھی حضورؐ نے اُن کے درمیان گزارے اور نبوت کے بعد سات آٹھ سال اور بھی گزر گئے۔حضورؐ ان لوگوں کے ساتھ جو عربی زبان بولتے تھے۔اُس میں اور قرآن کی عربی میں بہت بڑا فرق ہے۔ جسے ہر عربی دان معلوم ومحسوس کرسکتا ہے! یہ ایک اور دلیل ہوگئی!

ہمیں ایک شخص بُرا اور بداعمال معلوم ہوتا ہے۔لیکن اُس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ ایک اور شخص خدا کا نیک اور مقبول بندہ ہے۔تو اُس کی صحبت میں اس بداعمال شخص کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔چونکہ اُس کو یقین ہے کہ وہ نیک شخص خدا کا مقبول ہے۔اس لئے وہ اُس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔اُس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوتا ہے۔اور اس کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔خدا کے ساتھ تو انسان کی فطری محبت ہے۔مگر ہم خدا تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔تو جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ ایک آدمی خدا کا مقبول اور مقرب بندہ ہے۔تو اُس کے ساتھ ہمارا سلوک خدا کے ساتھ سلوک ہوتا ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کو کفار ومشرکین بھی مانتے ہیں۔لہٰذا اُس کی بات اللہ کی بات ہوگی۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں۔اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں فرماتے۔ بلکہ اللہ کا حکم سناتے ہیں۔جو کچھ وحی کی صورت میں اللہ کا منشا ہوتا ہے وہ ہمیں سناتے ہیں۔

کفار ومشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے

تھے۔جن میں سے ایک اعتراض یہ تھا۔کہ آپ ایک اچھے خاصے کامیاب کاروباری انسان تھے۔اور وقار واطمینان کی زندگی گزار رہے تھے۔لوگ سب آپ کی بے حد قدروعزت کرتے تھے۔مگر نبوت کا دعویٰ کر کے آپ نے اپنی ساری ہردلعزیزی گنوائی، غلط راسے پر چل کھڑے ہوئے اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبتوں میں پھنسا لیا! اس جدو جہد میں آپ کا مال بھی ضائع ہوا۔عزت و دلعزیزی بھی گئی اور آرام و راحت کا بھی خاتمہ ہوا۔تو غلط راستہ ہوا نا! ہم اپنی زبان میں اس کو غلط راستہ کہتے ہیں!

قرآن کہتا ہے۔اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یارسول اللہ! آپ سیدھے راستے پر ہیں۔آپ کا یہ راستہ سیدھا منزلِ مقصود کو جاتا ہے! خیال کیجئے دنیا کا راستہ جس پر آپ جارہے ہیں اور اعمال ٹھیک کررہے ہیں۔یہ کہاں سے جاتا ہے اور کدھر جاتا ہے؟ کیا مردان سے لندن کو جاتا ہے؟ کیا مردان سے ماسکو کو جاتا ہے؟ یا کعبہ کو جاتا ہے؟ یہ سب کعبے ہیں نا! تو تمہارا یہ راستہ ان میں سے کونسا راستہ ہے؟! زندگی گزارنے کا وہ طریقہ وراستہ جو تمہیں کامیابی سے آخرت تک پہنچائے۔ وہی خدا کا راستہ ہے!۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قدم اٹھایا جو پیغام اور تعلیم پیش کی۔وہی سیدھا راستہ ہے زندگی کے لئے! کیسی زندگی کے لئے؟

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوٰی نبوت سے پہلے ساری دنیا کفر، بداعمالی، بداخلاقی اور انتشار کی لعنتوں میں مبتلا تھی۔اُس وقت حضور اکرمؐ کا دل انسانوں کی اصلاح وفلاح کے لئے تڑپتا تھا اروہ غار حرا جا کر کئی کئی دن تک وہاں سوچا کرتے اور پھر نہایت دلسوزی سے پکار اُٹھتے کہ یا اللہ اس عالم انسانیت کی اصلاح

کیسے ہوگی؟ تو اس کے لئے اُن کو قرآن کا ''نسخۂ کیمیا'' دیا گیا اور حضورؐ کو یقین تھا کہ یہ وہ نسخہ ہے جس میں انسانوں کی دنیوی اصلاح اور اُخروی فلاح ہے! تو پھر اندازہ لگائیے انہوں نے کیسا اعلیٰ اور پاکیزہ معاشرہ پیدا کردیا۔جس کے افراد فرشتہ سیرت تھے۔بلکہ وہ ایسے انسان تھے۔جو فرشتوں سے بھی افضل تھے! اس لئے حضورؐ سیدھے راستے پر ہیں۔آپؐ کا راستہ غلط نہیں بلکہ یہ لوگ غلط راستے پر جارہے ہیں۔آپؐ کا راستہ دنیا میں بھی صحیح ہے اور آخرت میں بھی نجات یافتہ ہے۔خدا کی قربت، آخرت کی کامیابی اور دنیا کے اطمینان اور فوز وفلاح کے لئے واحد راستہ صراطِ مستقیم ہے۔اور صراطِ مستقیم رسول اللہؐ کے نقش قدم کا راستہ ہے!

اور اے رسول اللہ! یادرکھئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں نے اپنا کلام آپ کے پاس بھیجا ہے! اسے کوئی معمولی بات نہ سمجھئے! تفریح طبع کی باتیں یا گپ شپ نہیں، کسی واعظ کا وعظ نہیں کہ کسی نے سنایا نہ سنا اور کسی نے مانا یا نہ مانا! نہیں اس کلام کا نزول اللہ کی طرف سے ہے! کس اللہ کی طرف سے؟ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (تَنْزِيْلٌ مِّنَ اللّٰهِ نہیں کہا!) اس کا نزول اُس ذات کی طرف سے ہے جو بے مثل غالب اور رحیم ہے (عزیز کا معنی غالب ہی نہیں بلکہ بے مثل غالب ہے کہ جس کے مقابلے میں اور کوئی غالب نہ ہو!) تو غالب آدمی کی بات کامیاب ہوتی ہے یا نہیں! بادشاہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے اُس پر عملدرآمد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مولوی صاحب یا خادم یا کوئی اور کہے تو اُن کی کوئی پرواہ ہی نہیں کرتا! تو اے لوگو! خبردار! سنو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پیش کررہے ہیں یہ غالب شہنشاہ کا کلام

ہے اور اس کے بھیجنے میں اس کی کوئی غرض پوشیدہ نہیں۔ نہ تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا رہا ہے!! اَلرَّحِیۡمِ! اُس کی رحمت کا تقاضا ملاحظہ ہو۔ مخلوق غلطی اور گمراہی میں پڑی تھی۔ اُن کی زندگی جانوروں کی زندگی تھی۔ اُن کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد! اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اُس نے لوگوں کی طرف نبی رَحۡمَۃٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کو بھیجا۔ جس نے مخلوق کی زندگی کی کایا پلٹ دی!

دیکھئے غور کیجئے! اس میں دھمکی بھی ہے اور تالیف قلب بھی! اگر نہیں مانو گے تو وہ غالب ہے۔ تم مانو نہ مانو اس کی بات بہر حال مانی جائے گی اور اُس کا کہا پورا ہو کر رہے گا! اللہ قرآن میں ایک اور جگہ کہتا ہے ''یہ قرآن میں نے تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم اس کو تمام دینوں اور سارے نظاموں پر غالب کر دو! اور حضورؐ کی حدیث ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَيَدۡخُلُ هٰذَا الدِّيۡنُ فِي كُلِّ بَيۡتِ مَدَرٍ وَّوَبَرٍ اللہ یہ دین اسلام ہر بال اور مٹی کے گھر میں داخل کرے گا! ''بال'' سے مراد ہے شامیانے، خیمے اور مٹی سے مقامی آبادی مراد ہے۔ یعنی دینِ اسلام دُنیا کے کونے کونے تک پہنچ جائے گا! وَلَيُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرِيۡنَ...... لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ خدا اس دینِ اسلام کو غالب کرے گا۔ چاہے کافر اور مشرک اسے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ سمجھیں! اب سوال یہ رہ گیا کہ یہ قرآن کیوں نازل کیا گیا!؟

لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ. اے رسول اللہ! آپ پر یہ قرآن کیوں نازل کیا گیا؟ نبی یا رسول تو کامل ترین انسان ہوتا ہے! آپ تو پیدائش ہی سے ہدایت یافتہ ہیں! نبی کو تو قرآن پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی! قرآن تو

نبی سے علم درآمد کرواتا ہے تا کہ معاشرے کی اصلاح ہو! یہ قرآن اس لئے نازل کیا گیا تا کہ آپ اس کے ذریعے اُس قوم کو ڈرائیں جن کے بڑے بزرگ (یعنی باپ دادا) نہیں ڈرائے گئے تھے اور یہ غفلت میں تھے!

میں نے اس سے پہلے ایک درس میں تمہیں بتایا تھا کہ عربوں میں عرصۂ دراز سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوا تھا۔ اس لئے عرب کہتے تھے کہ اور قوموں کو پے در پے پیغمبر آتے رہے ہیں مگر اُن کے پاس قدر نہیں تھی اور اپنے پیغمبروں کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے تھے۔ مگر ہم میں تو کوئی پیغمبر آتا ہی نہیں۔ اگر ہمارے پاس کوئی نبی آیا ہوتا تو ہم دل و جان سے اُس کی تعلیمات پر عمل کرتے۔ تو اس مقام پر ارشاد ہوا کہ مَاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ. جن کے باپ دادا قریبی زمانے میں نہیں ڈرائے گئے ہیں (میں نے ''زمانۂ قریب'' اس لئے کہا کہ زمانۂ بعید میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے) تو یہ غفلت میں اپنے اصل مقصد سے دور جا پڑے ہیں۔۔۔۔۔ اس آیت کے دوسرے معنی یوں ہونگے'' تا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو بداعمالی کے انجام سے، جس کے بڑے (باپ دادا) ڈرائے گئے تھے اس سے قبل وہ غفلت میں تھے'' حضرت شعیبؑ عرب تھے قوم عاد قوم ثمود سب عرب تھے۔ انہوں نے عمل نہیں کیا تو اُن کا انجام کیا ہوا؟! پہلے بھی ان قوموں کے پاس پیغمبر آئے تھے اور ان کی اصلاح نہ ہوئی تو ان کا انجام تباہی ہوا۔ دیکھو! اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہ کیا تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔ تمارے پاس مدتوں

بعد پیغمبر آیا ہے۔اس لئے اس کے ''انذار'' سے ڈر کر اپنی اصلاح کر ڈالو!!

تو اب دعوت حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ کیوں ہے؟ یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قرآن پر عمل کریں اور اسلام کے اصولوں پر عملدرآمد کریں ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ نیک بن جائے۔مگر اس کے باوجود نیک نہیں ہوسکتا۔ بیمار کیوں بیمار ہے؟ قرآن اب اس کی وجہ بتاتا ہے۔اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ. اللہ جب کسی فعل کو اپنے آپ سے منسوب کرتا ہے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ میرے قانون کے ذریعے یہ کام یوں ہوتا ہے یا یوں ہوگیا۔ارشاد ہوتا ہے۔کہ میں نے اُن کی گردنوں میں طوق دال دیئے ہیں فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ یہ طوق اتنے زیادہ ہیں کہ اُن کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۔ تو انھوں نے اپنی گردنیں اوپر اُٹھا رکھی ہیں۔ کیونکہ اُن کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں! کس چیز کی زنجیریں ہیں؟ یہ سب دنیا کی زنجیریں ہیں! بچوں کی محبت! بیوی کی محبت! یار آشنا اور دنیاوی تعلقات کی محبت، اپنے رسم و رواج اور پوزیشن کی محبت! باپ دادا کے غلط رسوم و رواج اور ملک کے بے بنیاد قوانین انسان کو عمل کرنے نہیں دیتے۔ اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوتا ہے ''جی قراں پر عمل بہت اچھا اور مبارک ہے لیکن اگر میں شادی و غم میں قرآن کے اصولوں پر عمل کروں اور اپنے رسم و رواج سے منہ موڑ لوں۔تو لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ میں برادری میں اپنا سر کیسے اونچا رکھ سکونگا! واہ! ارے میرے باپ دادا نے ایسا کیا تھا۔اب میں اس کے خلاف چلوں؟ جی! اگر میں یوں کرلوں تو لوگ مجھے طعنے دیں گے کہ یہ کوئی مولوی، شیخ یا دقیانوسی کٹھ مُلّا ہے! ہر

وقت قرآن پر سر جھکائے رہتا ہے اور نمازوں پر نمازیں پڑھے جا رہا ہے!'' یہی وہ زنجیریں ہیں! اللہ کہتا ہے'' میں نے اُن کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دی ہیں! اللہ نہیں ڈالتا! تمہیں پہلے بتایا گیا ہے کہ انسان مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ خدا نے اس کو اختیار دے کر فیصلہ کرنے کا موقع دیا ہے کہ تم اللہ کی محبت مانگتے ہو یا دنیا کی! تم اللہ کا حکم مانو گے یا قوم برادری، شیطان اور نفس کی بات مانو گے؟ اس کے بعد كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ اگر کوئی نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو رسی لمبی کر دیتا ہوں اور کوئی برائی اور بدی کا راستہ اختیار کرے تو بھی رسی لمبی کر دیتا ہوں۔ اگر کوئی جوا خانے جانا چاہتا ہے تو خدا اُس کو منع نہیں کرتا اور اگر مسجد جانا چاہتا ہے تو بھی منع نہیں کرتا۔اس لئے خدا فرماتا ہے کہ میرا قانون فطری یہ کہ میں انسان کو مجبور نہیں کرتا اُس کے تعلقات ہی اُس کو مجبور کرتے ہیں۔اُس نے اپنے اوپر غیر ضروری تعلقات کا بوجھ ڈالا ہے ''میں اپنے بچوں کے لئے روزی کماؤں یا نمازیں پڑھا کرونگا! میں اپنے رسم و رواج کے تقاضے پورے کروں یا اسلام پر عمل کروں! میں اپنی پوزیشن قائم رکھوں یا مسلمان بن جاؤں!'' یہی ہماری وہ بیماریاں ہیں! جب انسان کو اپنی کوئی بیماری معلوم ہو جائے تو اُس کا علاج کرتا ہے نا! وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اللہ کہتا ہے کہ میں نے اُن کے آگے دیوار بنائی ہے! آگے کیا ہے؟ آئندہ (آنے والی) آخرت ہے! یہ لوگ اپنی زندگی کے آنے والے انجام پر سوچتے نہیں! اور اُن کے پیچھے دیوار بنائی ہے۔انہوں نے جو اعمال کئے ہیں تو انہیں یہ خبر نہیں کہ ان کے نتائج کیا ہیں! دنیا میں اس کے کیا آثار ہونگے! آگے دیوار ہے خواہشات کی! پیچھے دیوار ہے ضد اور ہٹ

دھرمی کی! یہ مختلف معانی ہیں کہ نہ تو نیکی کے لئے آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ یہ اپنی انہی رکاوٹوں میں گھرے ہوئے عمل سے محروم ہیں!

فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ. ان پر اندھیرا چھایا ہوا ہے اس لئے یہ نہیں دیکھتے! کیا نہیں دیکھتے؟ حقیقت نہیں دیکھتے! یہ چونکہ غفلت کے پردوں میں چُھپے بیٹھے ہیں۔ اس لئے نبی کی تعلیم کو نہیں دیکھ سکتے! اگر انسان غور و تدبر کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ اس کی کون کونسی رکاوٹیں اور کون کونسی بیماریاں ہیں جو اُس کو اللہ کے راستے پر چلنے سے منع کرتی ہیں! دنیا کی محبت، خواہشات نفس، بھائی چارہ، برادری، رسم و رواج، یار آشنا یا حاکمِ وقت کا حکم! اللہ اور ہمارے درمیان یہی رکاوٹیں ہیں۔ اگر ہم انہیں ہٹا دیں تو پھر اللہ ہر جگہ موجود ہے۔

ہماری ہے ہستی تو تیرا ہے پردہ۔ اگر نیست یہ ہو تو پھر تو ہی تو ہے! (تصوف کی اصطلاح میں) یا اللہ تو تو ہر جگہ موجود ہے۔ پھر ہم تجھے کیوں نہیں دیکھ سکتے! ہم سب کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے مگر ہم اسے دیکھ کیوں نہیں سکتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں اس لئے خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ''نیست'' کر دیں! تو کیا خودکشی کر لیں؟ نہیں نہیں! اپنی اغراض ترک کر دو۔ اپنی خواہشات چھوڑ دو اور اپنے مطالبات سے بالکل دستبردار ہو جاؤ اور یہ کوشش کرو کہ اللہ کیا چاہتا ہے۔ بس پھر اللہ کو دیکھ لو گے!!

لٰہذا جو لوگ ایسے ہوں تو سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. اُن کیلئے ایک جیسا ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں! آپ کا ڈرانا اور

تبلیغ اب اُن پر کوئی اثر نہیں کرتے اور یہ ایمان نہیں لاتے! تو کیا مطلب کہ تبلیغ چھوڑ دیجئے؟ نہیں تبلیغ نہ چھوڑیئے۔ مگر آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ ان کا مرض کتنا مزمن ہو چکا ہے اور یہ آپ کی تبلیغ و تعلیم نہیں مانتے! اور کون مانتا ہے؟!

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ان بدبختوں پر جب پیغمبر کی تعلیم اثر نہیں کرتی تو اور کسی مولوی، پیر یا واعظ کی تعلیم بھلا کیا اثر کرے گی! آپ کی نصیحت اور انذار صرف انہی لوگوں پر اثر کرتی ہے۔ اور صرف وہی لوگ آپ کی تعلیم و تبلیغ کو قبول کر سکتے ہیں۔ جو ''اَلذِّکْر''، یعنی نصیحت (یہاں مراد قرآن) کی پیروی کریں۔ یعنی جب آپ قرآن پیش کریں تو یہ اُس کو قبول کر لیں اور اُس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ اور غیب میں خدا سے ڈرتے ہوں اور پکاریں کہ ''یا اللہ! مجھ سے ناراض نہ ہو جانا! یا اللہ تو مجھ پر عذاب نہ لانا'' یہ خوف خالص دل کی چیز ہے! وہ دل میں خدا سے ڈرتا ہے اور جب خدا کا حکم آتا ہے تو ماننے اور تعمیل کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کی اصلاح آسان ہوتی ہے۔ اور اُس کے لئے نبی کی تعلیم اور اسلام کے احکام پر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کو حق کی طلب بھی نہ ہو اور خدا سے بھی ڈرتا ہو تو اُس پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی! تو جب کوئی ایسا شخص ہو جو نصیحت پر عمل کرنا چاہتا ہو۔ حق کا متلاشی بھی ہو اور خدا سے ڈرتا بھی ہو۔ تو اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ کَرِیْمٍ. منکروں اور غفلت کرنے والوں کے لئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ''نذیر'' تھے۔ اب مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے ''بشیر''

ہو گئے ! آپ بشارت دیجئے ! اُن کو اُن کی لغزشوں کی بخشش کی خوشخبری دیجئے اور اُس کے ساتھ بڑا عزت منداجر بھی ہوگا ! باقی یہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى یقیناً میں زندہ کرتا ہوں مُردوں کو ! بدن کی قبروں میں مُردہ ضمیر دلوں کو میں زندہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرے احکام سنیں اور اُن پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک بارش نہ ہوئی ہو۔ اُس وقت تک زمین بنجر اور مُردہ ہوتی ہے۔ جب اس پر پانی پڑتا ہے تو اُس سے یہ دوبارہ زندہ ہوجاتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کے غافل دِل بدن کی قبروں میں مردہ ہوتے ہیں۔ تو اُن کو جب خدا کی ہدایت کا نور مل جاتا ہے تو اس کی تابانی سے یہ زندہ ہوجاتے ہیں۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ اور میں نے اُن کے وہ سارے اعمال (جو انہوں نے آخرت کے لئے اپنے آگے بھیج دیئے ہیں) اور انہوں نے جو نقوشِ قدم چھوڑے ہیں۔ سب کے سب میں نے لکھ لئے ہیں (وَاٰثَارَهُمْ یعنی اُن کے اعمال کا اچھا یا برا نتیجہ جو پیچھے رہ جائے گا) کوئی شخص جس قسم کا عمل بھی کرے۔ اُس کی ذمہ داری سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اگر وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو وہ ایک رسم، قانون اور روایت چھوڑ جاتا ہے۔ اور اُس کے پیچھے آنے والے لوگ بدی کی اُسی راہ پر چلتے ہیں۔ یہ شخص دنیا سے تو چلا گیا۔ مگر اُس کی وہ بدی پیچھے دور دور تک رہ گئی۔ اس طرح اگر نیکی کرے تو یہ تو چلا جائے گا مگر اُس نیکی کا اثر باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ شخص جو نیک اعمال آخرت کیلئے اپنے آگے بھیجتا ہے اور اُن اعمال کا اثر جو دنیا میں رہ جاتا ہے۔ ان سب کو میں نے محفوظ کرلیا ہے!

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. اور ہر شے میں نے اس کتابِ

واضح میں محفوظ کرلی ہے! ''اِمَامٍ مُّبِيْنٍ'' ''کتابِ واضح'' اور ''لوحِ محفوظ'' سب ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ میرے علم میں سب کچھ موجود ہے۔ کوئی چیز میری دسترس سے باہر اور ضائع نہیں ہوسکتی۔ جب وہ وقت مقررہ آجائے تو پھر ان سب کو ظاہر کر دیا جائے گا!!

درس نمبر۲

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِۘ اِذۡ جَآءَهَا
الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿١٣﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا
فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿١٤﴾ قَالُوۡا مَاۤ
اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَىۡءٍ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا
تَكۡذِبُوۡنَ ﴿١٥﴾ قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ
لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿١٧﴾ قَالُوۡۤا
اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ بَلۡ
اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿١٩﴾ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ
يَّسۡعٰى قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا
يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿٢١﴾

ترجمہ

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ — مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ
بیان کیجئے ان کو یارسول اللہ! — مثال ایک بستی والوں (آبادی والوں) کی
اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ — اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ
جب آئے ان بستیوں کو رسول قاصد! — جب میں نے بھیجے اُن کو دو رسول
فَكَذَّبُوۡهُمَا — فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ
تو انہوں نے جھٹلایا دونوں کو — میں نے اُن کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھی بھیج دیا
فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ — قَالُوۡا
تو ان سب نے کہا قوم کو اے لوگو! — ہمیں تمہارے پاس بھیجا گیا ہے — قوم نے کہا
مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا — وَمَاۤ
(آپ کیسے رسول ہیں!) آپ تو نہیں ہیں مگر ہمارے جیسے انسان ہیں — اور نہیں
اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَىۡءٍ — اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ
نازل کیا رحمان نے کچھ بھی — نہیں ہیں آپ مگر جھوٹے (اپنے دعوی رسالت میں)
قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ — اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ
انہوں نے کہا (تمہیں تو نہیں معلوم مگر) — ہمارا رب عالم ہے کہ ہمیں تمہارے پاس
لَمُرۡسَلُوۡنَ — وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ
بھیجا گیا ہے (اور اگر پھر بھی تم نہیں مانتے تو) ہمارے ذمے نہیں ہے مگر صاف صاف پہنچانا

قَالُوٓا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُم

(انکار کروگے تو ہمارا کیا بگڑے گا) انہوں نے کہا کہ ہم پر تمہاری وجہ سے نحوست آئی ہے

لَئِنۡ لَّمۡ تَنتَهُوۡ لَنَرۡجُمَنَّكُم

(تم منحوس ہو) اگر تم اس مشن (تبلیغ) سے باز نہیں اتے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے

وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ قَالُوۡ طَآئِرُكُم

اور یقیناً تمہیں پہنچے گا ہماری طرف سے دردناک عذاب رسولوں نے کہا تمہاری

مَّعَكُمۡ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُم

بدفالی ار بدشگونی تمہارے ساتھ ہے (ہماری وجہ سے نہیں) اگر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں

بَلۡ اَنتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡن

پھر بھی تم اس بداعمالی سے باز نہیں آتے (اگر تم پر بدشگونی آتی ہے تو اس لئے کہ) تم اسراف کرنے والوں

وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ

میں سے ہو (حد سے تجاوز کرنے والے ہو) اور آ گیا شہر کے دور کے حصے سے ایک آدمی

يَّسۡعٰى قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡن

دوڑتا ہوا قوم سے مخاطب ہو کر اس نے کہا اے میری قوم! بات مانو پیروی کرو ان رسولوں کی (کیوں)

اتَّبِعُوۡ مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ

پیروی کرو ان کی جو نہیں مانگتے تم سے کوئی اجر اور صلہ اور وہ خود ہدایت یافتہ اور صحیح راستے پر ہیں

تشریح وتفسیر

تمہیں میں بار بار بتا چکا ہوں کہ قرآن کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ پہلے ایک دعویٰ پیش کر دیتا ہے پھر اس پر دلائل لاتا ہے۔ ایک مسئلہ چھیڑتا ہے۔ جب وہ اختتام کو پہنچتا ہے تو پھر تاریخی واقعات لاتا ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اس سورت کا موضوع اور مقصد کل بیان ہو چکا ہے یعنی اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ آپ رسولوں کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ یہ قرآن خود اس حقیقت پر گواہ ہے۔ آپ کی زندگی اس پر گواہ ہے آپ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ آپ خود سیدھے راستے پر ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ بھی اس سیدھے راستے پر چل کر خدا کے قریب ہو جائیں۔ مگر انہوں نے دنیاوی تعلقات کی زنجیریں اپنی گردنوں میں ڈالی ہوئی ہیں۔ یہ سر اوپر اُٹھائے ہوئے ہیں اور سوچتے ہی نہیں۔ کیونکہ انسان جب سوچتا ہے تو سر جھکا کر سوچتا ہے۔ ایمان اور ضمیر کے اعتبار سے یہ لوگ مردہ ہیں۔ مردے تو میرے کلام سے زندہ ہوتے ہیں مگر یہ قرآن سے زندگی حاصل کرنا نہیں چاہتے! اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور انداز سے فائدہ وہی شخص لے سکتا ہے جو اس الذّکر (قرآن) کی پیروی کرے۔ مگر دنیا کے بکھیڑے اتنے ہیں کہ اُن میں منہمک ہو کر وہ قرآن سننے کیلئے فارغ نہیں ہوتے! چلئے یہی سہی۔ یہ لوگ پیغمبروں کے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ میں نے بھی ان کا سب کچھ نوٹ کر لیا ہے!

ان کے اعمال اور حرکات وسکنات کا سارا ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے! کل یہ سارا مضمون بیان ہوا تھا۔ یہی موضوع اور مقصد ہے۔ اب ایک تاریخی واقعے کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد اور مختلف دلائل پیش کئے جائیں گے۔ مگر مرکزی نکتہ وہی نبیؐ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے! ایک بار پھر تمہیں بتاتا ہوں کہ سورۂ مبارکہ یٰسٓ کا مرکزی موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس کی ابتدا ہی اس طرح ہوتی ہے یٰسٓ! اے انسانِ کامل! اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم!

آج کے درس کا آغاز ایک تاریخی واقعے سے ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے۔ جس کی توجیہہ ہمارے تمام مفسیرین نے ایک جیسی کی ہے۔ مگر حالات کچھ اور معلوم ہوتے ہیں! تمام تفسیریں اٹھا کر دیکھ لیجئے ان میں مشترک طور پر یہی ایک سوال پایا جاتا ہے کہ یہ رسول کون تھے؟ تو اس کے جواب میں مفسیرین بتاتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اور حضرت موصوف نے انہیں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ مگر یہ براہِ راست خدا کی طرف سے بھیجے گئے نہیں تھے۔ رسول کی طرف سے تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تھے! شہر کونسا تھا؟ ترکی کے قریب شام کے شمالی حصے میں انطاکیہ نام کا ایک شہر تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگرد مبلّغین کو اسی شہر انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا۔ کتابوں میں ان کے نام بھی آتے ہیں اور ابن عباسؓ اور کعب احبار سے اِس سلسلہ میں روایتیں بھی ہیں

لیکن تاریخی کتابوں کے مطالعے سے ہمیں چند اور چونکا دینے والے حقائق

ملتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں انطاکیہ کے قریب ایک قصبہ واقع تھا۔ یہاں حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل رومی حکومت کے تیرہ بادشاہ گزرے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ سے ساٹھ پینسٹھ سال بعد وہ پہلا شہر جس کے باشندوں نے مسیحی مذہب قبول کرلیا۔ یہی شہر انطاکیہ تھا۔ خیال کیجئے قرآن میں جس شہر کا ذکر ہے اُس کے باشندوں نے تو پیغمبر کی دعوت قبول نہ کی۔ جس کی پاداش میں وہ ہلاک ہوگئے۔ لیکن حضرت مسیحؑ کے مبلغین جب انطاکیہ گئے تو وہ سب اُن کی تبلیغ کی وجہ سے ایمان لے آئے۔ مگر سورہ یٰسٓ کے اس تاریخی واقعے میں تو شہر والوں کا دعوت حق سے صاف انکار ہے۔ پھر شہر انطاکیہ پر عذاب کیونکر آیا! اور تاریخ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انطاکیہ شہر پر کبھی عذاب نہیں آیا! یعنی انطاکیہ والوں نے نہ کبھی انکار کیا ہے نہ اُن پر خدا کا عذاب آیا ہے ۔اس لئے مفسرین کی عبیر و تفسیر جدید تاریخی تحقیقات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی!

قرآن میں بالعموم کوئی واقعہ بیان ہوا ہوتا ہے۔ لیکن کسی حکمت کی وجہ سے اس کی تفصیل بیان نہیں ہوتی۔ تو بنی اسرائیل کے نومسلم افراد اپنے غیر مستند لٹریچر سے (جو عموماً تحریف شدہ ہوا کرتا تھا) یہ واقعہ نقل کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیا کرتے اور کئی صحابہ بھی اس نوع کی بے بنیاد اسرائیلی روایات کو بیان کردیتے۔ تو صحابہ کے وقت میں یہودی نومسلموں نے اپنے لٹریچر سے یہ تحریف شدہ واقعہ نقل کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیا! حالانکہ یہ واقعہ تین چار وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں۔ اول یہ کہ شہر انطاکیہ کے باشندوں نے مسیحی تبلیغ سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ اس کو قبول کرلیا تھا۔ دوم یہ کہ شہر انطاکیہ

پر کبھی عذاب نہیں آیا۔سوم یہ کہ اس واقعے کے مطابق وہاں حضرت مسیحؑ کے مبلّغین گئے تھے نہ کہ رسول، حالانکہ قرآن میں رسولوں کا ذکر ہے اور چہارم یہ کہ کسی صحیح حدیث نبوی میں اس واقعے کا ذکر نہیں۔ان تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کی بنیاد محض اسرائیلیات پر ہے اور اسرائیلی روایات محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہوتی ہیں۔تو پھر اس واقعے کی صحیح توجیہہ کیا ہوگی؟!!!

اگر قرآن کو تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی تو ضرور اس واقعے کی مزید وضاحت کرتا۔جب قومِ فرعون وعاد وثمود کے نام لیکر تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔تو یہاں بھی ''اَصْحٰبُ الْقَرْيَةُ الْاَنْطَاكِيَه '' ہوتا اور اس واقعے کی پوری تفصیل پیش کی جاتی۔ لیکن قرآن نے اپنی کسی حکمت کے پیش نظر اس واقعے کی طرف اشارہ کر کے اس کو مجمل چھوڑ دیا ہے اور رسولوں کی تفصیل بھی بیان نہیں کی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سورت کا موضوع رسول کی ذات ہے۔اس کا مرکزی تصوّر رسالت ہے۔تصوّر رسالت کے متعلقات ہر زمانے اور ہر شہر وملک کے ہر رسول پر صادق آتے ہیں۔تاریخ کے ہر دور میں ہر مقام پر یہی ہوتا آیا ہے کہ رسول آیا اور اپنی تعلیم پیش کی۔لوگوں نے انکار کیا۔ رسول نے دلائل پیش کئے۔لوگوں نے اُس کو دھمکیاں دیں۔انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے نبی کی تعلیم مان لی وہ کامیاب ہوئے اور جنھوں نے نہیں مانی۔اُن پر عذاب آیا۔ اسی لئے قرآن نے ایک واقعہ اجمالی طور پر بیان کیا۔جو ایک مثال کی صورت میں ہر دور اور ہر ملک کے رسولوں اور قوموں پر چسپاں ہوتا ہے اور اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی اُمّت پر بھی صادق آتا ہے۔چنانچہ یہاں اُن سے بھی خطاب ہے کہ ''اے قریشیو! تماری مثال بھی اُن ''اصحاب القریہ'' جیسی ہے۔اُن کے پاس رسول آئے اور انہوں نے انکار کیا۔جس کی پاداش میں اُن پر خدا کا عذاب آیا! اگر تم نے اس رسولؐ کی دعوت قبول نہ کی تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا!'' امید ہے تم سمجھ گئے ہوگے کہ یہ ایک مثال ہے مگر فرضی نہیں بلکہ عالم مثال سے متعلق ہے جو ہمارے اس عالم سے زیادہ ٹھوس ہے!!

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ط ان اہل مکّہ مخاطبین کے سمجھنے کے لئے یہ مثال بیان کیجئے۔کونسی مثال؟ اَصْحٰبَ الْقَرْيَه بستی والوں کی مثال مکّہ بھی ایک بستی تھی۔اس لئے یہ مثال اُن پر بھی بخوبی چسپاں ہوتی ہے! اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۔ جب اُن کے پاس رسول آئے تھے۔جیسے اے اہل مکہ! تمہارے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ جب میں نے اُن کے طرف دو رسول اکٹھے بھیجے۔فَكَذَّبُوْهُمَا تو اُن کو ان بستی والوں نے جھٹلا دیا۔فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ بستی والوں پر اتمام حُجّت کی خاطر میں نے ان رسولوں کی مدد کیلئے تیسرا رسول بھی بھیج دیا۔فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ. تو ان رسولوں نے کہا ''اے لوگو! ہمیں تمہارے پاس خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔اپنے جی سے کچھ نہیں گھڑتے! قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا قوم نے کہا ''نہیں، ہم نہیں مانتے! تم رسول نہیں ہو! تم بھی تو ہماری طرح انسان ہو۔ہماری طرح تمہارے بھی منہ، دو آنکھیں اور دو کان ہیں

۔ہمارے مقابلے میں تم میں کونسی امتیازی خصوصیت ہے کہ ہم تمہیں رسول مان لیں؟‘‘

دنیا میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ لوگوں کے تصور اور عقیدے کے مطابق رسول انسان نہیں ہوتا۔ بلکہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہوتا ہے۔ جو انسان ہوگا وہ رسول نہیں ہوگا اور جو رسول ہوگا وہ انسان نہ ہوگا! سمجھ گئے یہ نکتہ؟! آج کل بھی یہی ہوا کرتا ہے! ہمارے علاقے میں کوئی نیک انسان ہو۔ نبی کا مبلّغ ہو۔ ولی اللہ ہو تو اُس کیلئے ہمارے پاس کسوٹی کیا ہے؟ کشف وکرامات! ہم دیکھتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں فطرت کیخلاف کوئی بات ہے یا نہیں! کوئی کشف وکرامات ہیں یا نہیں! کیونکہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی نیک، متقی اور خدا کا دوست کیوں نہ ہو۔ جب تک اس میں مفصلہ بالا دو چیزیں نہ ہوں۔ ہم انہیں ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے! پیغمبر بھی یہی انسان ہوتا ہے اور ولی اللہ بھی اور لوگوں کی طرح انسان ہوتا ہے! کسی شخص کی نیکی، بزرگی اور خدا دوستی کی کسوٹی کشف وکرامات نہیں بلکہ اس کا کردار اور اس کی تعلیم ہونا چاہئے! آپ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اُس کا پیغام کیا ہے! یورپ اور امریکہ جو کافی تعلیم یافتہ بھی ہیں اور ترقی یافتہ بھی، انہوں نے ٹھیک یہی نکتہ لیا ہے جب کبھی کسی نامور آدمی کے متعلق سنتے ہیں تو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اُس شخص کا ذاتی کردار کیا ہے! پھر یہ دیکھتے ہیں کہ حقیقت کی صداقت اور انسانوں کی بہتری کیلئے اُس کا پیغام کیا ہے! قرآن نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل میں اُن کا کردار اور اُن کی زندگی پیش کئے ہیں۔ لَقَدْ لَبِثْتُ

فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ میں تم لوگوں کے درمیان چھوٹے سے بڑا ہوا ہوں۔ میری ساری زندگی تم لوگوں کے درمیان گزری ہے۔ میری سابقہ زندگی کا جائزہ لیکر فیصلہ کر لو کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا! میں صرف یہ کہتا ہوں کہ تم کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھو! میرے پاس تمہارے لئے یہی ایک چیز قرآن ہے!‘‘ انہوں نے دلیل کے طور پر معجزے پیش نہیں کئے! اس لئے معجزے مانگنا اور کرامتیں دکھانا سب غلط ہیں اور یہ فارمولا بھی سراسر لغو اور مہمل ہے کہ جو انسان ہوگا وہ رسول نہیں ہو سکے گا اور جو رسول ہوگا وہ انسان نہ ہوگا!! اب بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ بھئی فلاں شخص تو ہماری ہی طرح ایک انسان ہے وہ ولی اللہ کیسے ہو سکتا ہے!! علاقہ سوات کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ وہاں ایک گاؤں ہے جس کا نام ’’نل‘‘ ہے۔ وہاں ایک نیک اور خدا رسیدہ شخص رہتا تھا۔ سب لوگ اُس کے معتقد تھے۔ اُن کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب عورتیں ندی پر پانی بھرنے جاتیں تو ایک دوسرے سے کہتی ’’اے بہن! زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے، بہت برا وقت آیا ہے دیکھو ’’نل‘‘ کے حضرت صاحب کا بھی بیٹا ہوا ہے! ہائے اللہ میری توبہ! ایسی ان ہونی اور ناشدنی پہلے کب سننے میں آئی تھی!‘‘ یہ ہے ہمارا تخیّل اور ہماری ذہنیت!!

اُن پیغمبروں سے قوم والوں نے کہا کہ ہم اس لئے تمہیں رسول نہیں مانتے کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم بھی تو ہماری طرح انسان ہو۔ کھاتے پیتے ہو اور باہر پھرا کرتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی منکرین ومشرکین یہی کہتے

تھے کہ مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ یہ خدا کا رسول کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہماری ہی طرح یہ کھاتا پیتا اور بازاروں میں پھرتا ہے!۔۔۔۔۔۔اس کے بعد رسولوں سے قوم نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ تمہیں خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ط رسالت تو رحمت ہے۔ خدائے رحمان نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے یعنی ہم نہیں مانتے کہ تم پر وحی آتی ہے! اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ. تم اپنے دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہو! تم خواہ مخواہ ہماری اصلاح کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہو! ہم خدائی قانون پر نہیں چل سکتے۔ اپنا قانون خود بنائینگے!'' پٹھان مذہب کے بہت زیادہ پابند مشہور ہیں۔ مگر اُن میں بھی یہ عیب موجود ہے! مثلاً اُن کا کوئی مولوی صاحب اعلیٰ پائے کا عالم اور خدا ترس انسان ہو۔ وہ اگر نماز اور روزے کے مسائل بیان کریگا تو سب سر جھکائے سُنا کریں گے۔ مگر جونہی وہ اصلاح معاشرہ پر بات چیت شروع کرے۔ سب بپھر کر کہنے لگتے ہیں ''مولوی صاحب! آپ ان مسائل کو نہیں سمجھتے۔ اپنی جگہ بیٹھے رہئے اور ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کیجئے ۔ کیونکہ ہم اپنے مسائل کا فیصلہ خود ہی کرتے ہیں!'' کسی مولوی اور عالم کو اُن کے رسوم ورواج اور معاشرتی مسائل میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے معاملات اور سیاسیات کا تصفیہ خود کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی غیر مذہبی حکومت چاہتے ہیں! پاکستان کہتا ہے کہ حاکم اعلیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور حکومت اور قانون دونوں اللہ کے ہیں۔ مگر آپ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ہم اپنے لئے اپنے بل بوتے پر اپنی مرضی کا قانون

بنائیں گے! اللہ اللہ کہیں گے نمازیں پڑھیں گے مگر اپنے معاملات میں خدا کا دخل نہیں مانیں گے! کہتے ہیں خدا جانے اور اُس کے آسمانی معاملے! زمین کے معاملات ہم خود نبٹانا جانتے ہیں!''

پیغمبروں نے انہیں جواب دیا کہ تم ہم پر الزام لگاتے ہو مگر رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ o وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ o ہمارا رب اس حقیقت پر عالم ہے کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور اگر اب بھی تم نہیں مانتے تو ہمارا کیا حرج اور نقصان ہوگا۔ ہمارے ذمے تو اللہ کا صاف اور واضح پیغام پہنچانا ہے۔ ہماری ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اس کے باوجود اگر تم ایمان نہیں لاتے تو نتیجہ اور انجام تمہارے سامنے آئے گا اُنہوں نے الزام لگایا قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ تم ہمارے حق میں منحوس ثابت ہوئے ہو!

یہ جملہ انہوں نے کیوں کہا؟ ہمیشہ سے خدا کا یہ قانون چلا آرہا ہے کہ جب کسی قوم کے پاس پیغمبر جاتا ہے۔ تو وہ انہیں تبلیغ شروع کر دیتا ہے۔ لوگ انکار کرتے ہیں مگر وہ تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ آخر خدا اس قوم پر عذاب لے آتا ہے۔ مگر وہ دراصل عذاب نہیں ہوتا بلکہ عذاب کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اس کو تنبیہہ یا کان مروڑنا سمجھ لیجئے جیسے سکول میں استاد لڑکے کے کان کھینچتا ہے تو وہ اسے عذاب نہیں دیتا محض تنبیہہ کرتا ہے!

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ o اللہ کہتا ہے کہ یہ عذاب اس لئے بھیجتا ہوں کہ یہ اپنی بغاوت اور سر

کشی سے دستبردار ہوجائیں اور اپنی شرارتوں سے باز آجائیں اور انہیں محسوس ہو کہ اس عذاب کی برداشت اُن کی طاقت سے زیادہ ہے اور اب اسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہٹا سکتا! انسان جب مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے تو گھبرا کر اور نرم پڑ کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے! فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے انکار کیا تو اُن پر طرح طرح کے عذاب نازل کئے گئے۔ سیلاب آئے، مینڈکوں کی بہتات ہوگئی، جوئیں پیدا ہوگئیں اور پانی خون بن گیا! جب کبھی کوئی عذاب آتا تو فرعون حضرت موسیٰؑ کے پاس دوڑا دوڑا جاتا اور التجا کرتا کہ ''اے موسیٰ! اپنے رب سے اس عذاب کے دور ہونے کی دعا مانگ لیجئے۔ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے!'' لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو پھر اسی طرح سرکش ہوجاتے اور پھر ایک اور عذاب آتا علیٰ ہٰذا القیاس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جب حضور پُرنورؐ نے چھ سال تک تبلیغ فرمائی اور پھر بھی لوگوں کا انکار رہا تو اُن پر قحط سالی آگئی (قرآن میں اس کی تفصیل موجود ہے) کفّار رسول اللہؐ کے پاس آکر فریاد کرنے لگے کہ آپ کی قوم تباہ وہلاک ہوگئی۔ لوگ سڑا ہوا گوشت کھانے لگے ہیں۔ ہڈیوں کو ابال کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ آپ خدا سے دعا مانگئے کہ یہاں بارش ہوجائے۔ حضورؐ کی دعا سے بارش ہوگئی لیکن جونہی عذاب دور ہوگیا وہ بدستور کفر کے ساتھ چمٹے رہے!

چنانچہ اصحابِ قریہ نے رسولوں سے کہا کہ جب تک تم رسول بن کر نہیں آئے تھے تو ہم پر کوئی عذاب نہیں تھا۔ اور اب لگا تار عذاب قحط سالیاں آرہی ہیں!

تمہارے آنے سے ہمارے گھروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک ہی گھر میں ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا مسلمان! باپ مسلمان تو بیٹا کافر اور بیٹی مسلمان تو ماں کافرہ! ہم ایک ہی قوم تھے ایک ہی طرح کے لوگ تھے مگر تم نے آکر ہم میں پھوٹ ڈال کر جھگڑے اور اختلافات پیدا کردیئے!!

اسی طرح اہل مکہ بھی ایک وفد کی صورت میں حضورؐ کے خلاف شکایت کرنے کے لئے اُن کے چچا ابوطالب صاحب کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ ہم ایک قوم تھے، معزز اور متموّل تھے۔ یہ آپ کے بھتیجے آئے تو ہمارے معبودوں اور باپ دادوں کو غلط اور گمراہ قرار دیا اور ہم میں بے اتفاقی اور جھگڑے پیدا کردیئے۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیجئے! چلئے ہم اس سے صلح کرتے ہیں۔ ہم اس کو کچھ نہ کہیں گے یہ ہم کو کچھ نہ کہے! یہ اپنی تبلیغ کرے مگر اس میں ہمارے خداؤں کو بُرا نہ کہے اور جواباً ہم اسے کچھ نہ کہیں گے مگر حضور نے اُن کی یہ گمراہانہ اور مکارانہ پیشکش ٹھکرادی!

تو یہاں بھی وہی پرانا مضمون ہے کہ ہم تمہاری وجہ سے بدشگون اور بدبخت ہوگئے اگر تم نہیں مانتے تو لَنَرْجُمَنَّكُمْ تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے اور لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ o اور ہماری طرف سے تمہیں سخت دردناک عذاب پہنچے گا۔ پیغمبروں نے جواب میں فرمایا کہ تم جو کہتے ہو کہ تم ہماری وجہ سے بدبختی اور نحوست میں مبتلا ہوگئے ہیں تو قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ تمہاری یہ بدبختی اور نحوست تو مَعَكُمْ یہ تمہارے اپنے اعمال ہیں۔ جن کا خمیازہ تم بھگت رہے ہو۔

دیدۂ عبرت کُشا، قدرتِ حق را ببین ، شامتِ اعمال ماصورت نادر گرفت !

یہ نحوست ہماری وجہ سے نہیں کہ گویا جونہی ہم آ گئے تو تم پر عذاب امنڈ آئے۔تم نافرمانی میں مبتلا رہے تو خدا تنبیہہ کے طور پر تم پر عذاب لے آیا تا کہ تم سدھر جاؤ۔اور اگر تم میں ایک بھائی مسلمان ہے اور دوسرا کافر، تو یہ بدشگونی تمہارے اپنے گھر کی چیز ہے تم ہمیں ناکردہ گناہ کی سزا دے رہے ہو؟ أَئِن ذُكِّرْتُم ہمارا کیا جرم ہے تمہیں نصیحت ہی تو کر رہے ہیں۔کوئی انوکھی بات نہیں ہر پیغمبر کے ساتھ یونہی ہوتا آیا ہے۔تم ہمیں منحوس قرار دیتے ہو، بات دراصل یہ نہیں بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ بلکہ تم اسراف کرنے والی قوم ہو۔اسراف کرنے والے پیسوں میں نہیں بلکہ اعمال میں !تم نے خدا کی بندگی سے سرکشی کی ہے اور بداعمالیاں کر رہے ہو!

لیکن ہر پیغمبر اور نبی سے اگر قوم کی اکثریت انکار کرتی تھی تو چند خوش قسمت اُن پر ایمان بھی لے آتے تھے۔تو اب یہاں ایک ایسے مومن کا حال ہے۔جو ان رسولوں پر ایمان لایا تھا۔اُس کو جب معلوم ہوا کہ رسولوں کے ساتھ قوم کا جھگڑا ہے وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ اور مدینہ (شہر) کے دوسرے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا! دیکھئے وہاں ''قریہ'' کہا اور یہاں ''مدینہ'' کہا۔چیز ایک ہی ہے قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اور پکار کر کہنے لگا کہ اے قوم کے لوگو! تم ان رسولوں کے ساتھ جھگڑا کیوں کرتے ہو! ان کی پیروی کرو اور ان کی بات مان لو! ان کی بات ماننے کے لئے کیا دلیل ہے؟ ایک آدمی جب کوئی غلط بات کرتا ہے تو اس میں

اس شخص کا کچھ ذاتی مقصد ہوتا ہے اپنا ذاتی مفاد مدنظر ہوتا ہے! مگر یہ رسول نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ تم سے اپنی تبلیغ ودعوت کی کوئی اُجرت مانگتے ہیں۔ اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا یہ رسول تم سے کچھ عوض نہیں مانگتے وَهُم مُّهْتَدُونَ اور وہ خود بھی حق پر ہیں جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور سیدھے راستے پر چل رہے ہیں۔

درس نمبر۳

وَمَا لِیَ لَا اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۲۲﴾ ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ

اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا

یُنْقِذُوْنِ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ

فَاسْمَعُوْنِ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ﴿۲۶﴾

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ

مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا

صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۳۰﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ

الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا

مُحْضَرُوْنَ﴿۳۲﴾

ترجمہ

وَمَا لِیَ لَا اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ

کیا ہوا مجھے کیوں میں عبادت نہ کروں اس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ

اور سب اُس کی طرف واپس جاؤ گے (دوسرا راستہ کہاں ہے!) کیوں کیا میں پکڑ لوں

اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ

ماسوا اُس کے دوسرا معبود اگر چاہے رحمٰن تکلیف دینا مجھ کو تو کام نہیں دیگی

شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ اِنِّیْۤ اِذًا

میرے ان باطل معبودوں کی شفاعت کچھ بھی اور نہ زبردستی مجھے چھڑا سکیں گے اور اگر میں

لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ

یہ کروں تو میں ہونگا صاف گمراہی میں میں تو ایمان لایا تمہارے رب پر خوب غور سے سن لو

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ

کہا گیا اُسے، جا جنت میں داخل ہو جا اُس نے کہا ہائے افسوس کاش اگر میری قوم خبردار ہوتی

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ

اس پر کہ جس کی وجہ سے معاف کی ہیں میری لغزشیں میرے رب نے اور مجھے بنایا ہے معززین

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ

میں سے (مجھے اکرام اور اعزاز دیا) (اُس کا تو یہ حشر ہوا) اور اُتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر

مِنۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ

بعد اُس کے لشکر کسی عذاب کا آسمان سے میں نازل کرنے والا نہیں تھا عذاب کا

اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً

(یہ کونسی اہمیت کی بات تھی) اُن کی وہ تباہی نہیں تھی مگر ایک چیخ (فرشتے کی ایک چیخ)

فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ

پس ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے یعنی ختم ہوگئے (''خمد'' کہتے ہیں آگ کے بجھ جانے کو)

يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا

(اللہ کہتا ہے (کیا ہی افسوس ہے بندوں کے حال پر کوئی رسول نہیں آیا اُن کے پاس مگر

كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا

یہ اُن کی ہنسی اڑاتے ہیں (اور انجام کو نہیں دیکھتے) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کتنے

قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ

ہلاک کیئے ہیں میں نے اُن سے پہلے زمانے والوں میں سے کہ وہ اُن کے پاس

لَا يَرۡجِعُوۡنَ وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ

پھر واپس نہیں آئے ہیں اور یہ سب کے سب (کوئی نہیں ان میں جو نہ)

لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ

آئیں گے ایک ایک کر کے میرے پاس (سبکو میرے حضور حاضر ہونا پڑے گا)

تشریح وتفسیر

اس اصل اور اعلیٰ تعلیم کو جو رسول کا پیغام ہے اگر کوئی مان لے تو کیا نتیجہ نکلے گا اور جو نہ مانے تو اُس کا انجام کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں ایک مثال دی گئی کہ ایک بستی میں رسول وارد ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا مگر انہوں نے انکار کیا اُن میں بعض ایمان لے آئے۔ جن میں سے ایک مردمومن کا بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰى یہ رسول اور کفار آپس میں بحث کر رہے تھے۔ رسول اپنی تعلیم پیش کر رہے تھے اور کفار انکار کر رہے تھے تو انہی میں سے ایک مومن جوان رسولوں پر ایمان لایا تھا۔ شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا دوڑتا آیا اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ ان رسولوں کی پیروی کرو یہ خود راہ ہدایت پر ہیں۔ بے غرض ہیں تم سے کچھ نہیں مانگتے! اس مومن کی گفتگو جاری ہے

وَمَالِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ٥ قوم نے اُس مردمومن سے کہا ''ارے یہ کیا کہہ رہے ہو! کیا تم بھی ان رسولوں پر ایمان لے آئے؟ تو اس مقام پر یہ اُن کی بات کا جواب ہے۔ مجھے کیا ہوا ہے میں اس ذاتِ پاک کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اس مردِمومن نے اپنی قوم سے تین موٹی موٹی صاف اور واضح باتیں کیں۔ دو باتیں تو کل کے درس میں کہی گئی تھیں کہ یہ خدا کے قاصد ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ تم سے کچھ نہیں مانگتے! اور تیسری بات اُن کو آج یہ بتائی کہ جس ذات والا صفات نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اس کی عبادت کیوں نہ کروں! اور تمہیں بھی چاہئے! اب اُن سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم

بھی ایمان لے آؤ کیونکہ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اُس خدا کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔کیا جواب دو گے اُس کو؟ چھٹکارے کی کوئی اور جگہ تو نہیں ہے۔تو تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ تم بھی فوراً ایمان لے آؤ'' قوم والوں نے کہا ارے بھئی! ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالنا، ہمارے خدا ناراض ہو جائیں گے اور تمہیں بددعا دیں گے۔تمہیں تباہ کر دیں گے۔تمہارے تمام کام بگڑ جائیں گے''!

تو اس موقع پر وہ اُن کو جواب دیتا ہے ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً تو کیا میں پکڑ لوں اللہ کے سوا اور باطل معبود؟ اِلٰـــہ کا مطلب ہے مطلق معبود خواہ حق ہوں خواہ باطل! اور حال یہ ہے کہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق معبود اور باطل معبود میں کتنا فرق ہے! کافر اور مشرک بھی یہ سب مانتے تھے کہ خالق اور مالک فقط اللہ ہے اور یہ دیگر معبود صرف اُن کی سفارش کریں گے۔اُن کی امداد کریں گے۔اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ تو یہ کہتا ہے کہ اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْءٍ وَّلَا هُمْ يُنْقِذُوْنَ پھر ان معبودانِ باطل کی شفاعت میرے کام ہرگز نہیں آئے گی۔ہم اس لئے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ ہماری شفاعت کریں گے۔عیسائیت کے اصل اور بنیادی مسئلے کا سارا دارومدار بھی اسی عقیدہ پر ہے۔عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان لو۔وہاں خدا نے سب کچھ حضرت عیسیٰؑ کے حوالے کیا ہے اور خود چادر اوڑھے سو رہا ہے (العیاذ باللہ) وہاں سارا اختیار حضرت عیسیٰؑ کا ہے۔جس نے عیسیٰؑ کا نعرہ لگایا سمجھو اُس کا بیڑا پار ہے! عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق خدا نے اپنی ساری خدائی حضرت مسیحؑ کے حوالے کر کے

کہا ''اب تو جان اور تیری خدائی جانے!

یہ کافر کہتے تھے کہ ہمارے یہ معبودانِ باطل خدا کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔تو جواب میں یہ مومن کہتا ہے کہ ان معبودانِ باطل کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔یہ شفاعت کر ہی نہ سکیں گے! شفاعت کیسے آئے گی اور اگر شفاعت نہ ہو، منت نہ کریں (شفاعت بھی تو منت ہی ہے نا!) اور یہ زور لگائیں۔وَلَا هُمْ يُنْقِذُوْنَ تو یہ زبردستی بھی مجھے نہیں چھڑا سکتے۔تو بھئی پھر میں تمہارے ان باطل خداؤں کی عبادت کیوں کروں!؟ اُس حق اللہ کو کیوں چھوڑ دوں! اور حق خدا کی قدردوں سے انکار کوئی نہیں کر سکتا۔کافر اور مشرک بھی انکار نہیں کر سکتے پھر اگر میں ایسا کروں تو اِنِّيْۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ پھر میں صریحاً گمراہی میں پڑا ہونگا! مجھے پیدا کیا ہے اُس اللہ نے! کس غرض کے لئے پیدا کیا ہے؟ اس کا منشا اور غرض تو سیدھا راستہ ہے! اگر اُس ربُّ العزّت کے سوا اور کسی کی عبادت کروں تو نہ فائدہ دے سکتا ہے نہ نقصان! اگر وہ اللہ مجھے فائدہ دینا چاہے تو یہ مجھے اُس سے نہیں روک سکتے اور اگر وہ مجھے نقصان یا تکلیف دینا چاہے تو یہ مجھے اس کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتے!

تو یہ مناظرہ تھا! اُس مردِ مومن کا اپنی گمراہ قوم کے ساتھ مناظرہ تھا! آخر میں وہ اُن کو کہتا ہے اِنِّيْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ سُن لو! میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں! میں ایمان لایا ہوں اُس ذاتِ پاک پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی! میں کھلم کھلا اعلان کرتا ہوں کہ میں رب العالمین پر ایمان لے آیا۔تمہارا جو جی چاہے کر لو! جو بس چل سکے اُس سے دریغ نہ کرو قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط اُس کو کہا گیا کہ

جنت میں داخل ہوجا!

یہاں پھر ایک بحث طلب مسئلہ درپیش ہے۔کل والے درس کا مسئلہ تو ہم نے حل کر دیا تھا کہ یہ رسول کون تھے؟ کس زمانے کے تھے؟ اب آج کے درس میں ہمیں ایک اور اختلافی مسئلے کا سامنا کرنا پڑا ہے قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ اُس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہوجا! جنت میں تو انسان تب داخل ہوگا جب وہ مرجائے اور وہ بھی اسی صورت میں جب اس کو شہید کی موت ملے۔لیکن قرآن میں تو صرف اسی قدر ذکر ہے کہ اُس نے اپنی قوم کو اعلانیہ کہا کہ لوگو! سب سن لو کہ میں ایمان لایا ہوں۔اور خدا کی طرف سے اُس کو بشارت دی گئی کہ جنت میں داخل ہوجا! خدا نے یہ تو نہیں کہا کہ فَقَتَلُوْهُ اس کے بعد انہوں نے اُس کو قتل کر دیا۔جس پر میں نے اُس کو جنت میں داخل کر دیا۔مومنِ مذکور کے قتل ہونے کا قرآن میں کوئی سُراغ نہیں ملتا۔مگر علماء اور مفسرین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ جب خدا نے اُس کو جنت میں داخل ہونے کے لئے کہا تو زندہ تو داخل نہیں ہوسکتا۔لہٰذا یہاں یہ مضمون پوشیدہ اور محذوف ہے کہ وہ اظہار کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور شہادت کی موت کے بعد خدا نے اس کی مغفرت کر کے اُس کو جنت میں داخل کر دیا!

پھر جو لوگ اس خیال کے حامی ہیں کہ مومنِ مذکور کو قتل کر دیا گیا تھا۔اُن میں بھی پھر دو مذاہب ہیں۔ایک طبقے کا خیال ہے کہ جس طرح قرآن میں قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ کے الفاظ ہیں۔ان صاف اور غیر مبہم الفاظ کی روشنی میں اسے واقعی جنت میں داخل کر دیا گیا! لیکن دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نہیں بھئی، قیامت سے پہلے جنت میں داخل

ہونے کا کیونکر امکان ہوسکتا ہے! ہاں جب یہ دنیا ختم ہوجائے گی اور قیامت کا دِن شروع ہو (جو پچاس ہزار سال کا ہوگا) حساب کتاب اختتام کو پہنچے۔تب ہی لوگ جنت و دوزخ کو بھیجے جائیں گے۔اس سے پہلے جنت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! انہیں جنت میں داخل نہیں کیا گیا بلکہ جنت کی بشارت دی گئی ہے۔چنانچہ جنت میں دخول حساب کتاب کے بعد ہوگا۔اُس کی تو بہت ساری منزلیں ہیں! ہاں اُس مومن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جنت کی بشارت صرف اُس کو ہی نہیں بہت اور لوگوں کو بھی دی گئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں عشرہ مبشرہ کو بھی اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔علیٰ ھٰذا القیاس

ان دو مسالک کا حال تو تم نے سُن لیا۔اب ایک تیسرا مسلک بھی ہے! اُس مردِ مومن کو خواہ جنت کی بشارت دی گئی تھی یا واقعی وہ جنت میں داخل ہوا تو اُس نے کہا يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ہائے افسوس کاش میری قوم اس بات کا سمجھ بُوجھ رکھتی اور انہیں علم ہوتا کہ کس وجہ سے خدا نے میری مغفرت کر دی''! کیونکہ ہر آدمی گنہگار رہتا ہے! اُس کے پاس رسول آئے پہلے مسلمان نہیں تھا۔اب مسلمان ہوگیا! ''اور میرے رب نے مجھے عزت مندوں میں سے بنایا، مجھے اکرام واعزاز سے نوازا''! یہ دو مسلک ہیں۔مگر ایک اور مسلک بھی ہے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ جس نے رسول کا اتّباع کیا۔وہ زندہ ہوگا اور جنت میں ہوگا! اُس کی رُوح جنت میں ہوگی! اس کو ''جَنَّةُ الذَّات'' کہتے ہیں۔یعنی اُس نے اللہ کی ذات کا مشاہدہ کر لیا! اُس نے اپنے آپ کو فنا کر دیا اور اتباع رسول میں اس حد

تک ترقی کرلی کہ اللہ کی تجلیات اسے یہیں نصیب ہونگی

شعر

نورِ تجلّی می رسد اے طورِ دل صد پارہ شو ۔۔۔ اے مُرغِ بشکن قفس زیں خاکداں آوارہ شو!

اللہ کی تجلّی کا نور پہنچ رہا ہے اے دل کے کوہِ طور! (موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے) ٹکڑے ٹکڑے ہو جا! اے رُوح کے پرندے! یہ پنجرہ توڑ دے اور اس مٹّی کے بند سے رہائی حاصل کرکے عالم ارواح کو چلا جا! (صوفیانہ مسلک ہے!)

مومن جب اتباع رسول کرتا ہے تو اگر شہید ہو جائے تو شہید تو ہے ہی

(وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○)

صاف الفاظ ہیں کہ اُن کو مُردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں!

لیکن جب نبی کے اتباع میں اُس نے اپنے آپ کو فنا کردیا۔ تو اِسی دنیا میں اُس کو وہ روحانی سرور، خدا کا دیدار اور اُس کے وہ روحانی انوار و تجلیات نصیب ہوتی ہیں کہ وہ بے خود ہو کر نعرے لگانے لگتا ہے کہ کاش میری یہ حالت و کیفیت اوروں کو بھی معلوم ہوتی! کسی اور نے بھی یہ نعمت حاصل کی ہوتی!! آیئے آپ لوگوں کو ایک بات بتاؤں! یہ سُنی سُنائی بات نہیں، مشاہدے کی بات ہے! میرے پاس دو آدمی آتے ہیں دونوں بے علم ہیں کیونکہ مسائل وقصص کو نہیں سمجھتے! اُن میں سے ایک بالکل ان پڑھ ہے۔ وہ کہتا ہے جو نعمت مجھے ملی ہے۔ کاش اور لوگوں کو بھی اس کا احساس ہوتا کہ اس نعمت میں کتنا لطف و کیف ہے! دوسرا شخص جس نے ایک آدھ مسئلہ سیکھا ہے وہ بھی کہتا ہے کہ جو لطف وسرور میں محسوس کرتا ہوں۔ کاش یہ اِن (بڑے بڑوں کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے) بڑے بڑے لات اور عُزّیٰ کو بھی محسوس ہوتا! خان خوانین کو بھی محسوس ہوتا! اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوضات جب ایک جگہ آنا شروع کرتے ہیں۔ تو وہی مقام خدا کا عرش ہوا۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ۔ مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔ مومن کا دل وہ مقام ہے۔ جہاں اللہ کی تجلیات وانوار برستے ہیں۔ تو اس کے علاوہ اور کونسی جنّت ہو سکتی ہے!!

چنانچہ اُس مردِ مومن نے رسول کا اتباع کیا تو اس میں جو کیفیت اور روحانی خوشی اُس نے محسوس کی۔ اس کو عام لوگ محسوس نہیں کرسکتے۔ اس لئے اُس نے پکار کر کہا ”کاش یہ بھی حقیقت کا احساس رکھتے! ان کی آنکھیں بھی کُھلی ہوتیں! اور یہ بھی وہ کچھ دیکھتے جو میں دیکھ رہا ہوں! اقبال کہتا ہے بھئی خدا کہاں ہے، وہ کہاں دکھائی دے سکتا ہے! ؎

سجدۂ عشق کیلئے پائے صنم ضرور ہو ۔۔۔ میری جبینِ شوق کو بتا گیا راز کوئی!

جو شخص سجدے میں جاتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے، کہاں سجدہ کرتا ہے؟ کس کے پیروں میں سجدہ کرتا ہے؟ اللہ کے پیروں میں! اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے اُعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو! مگر ہم تو خدا کو نہیں دیکھ سکتے! کیوں نہیں دیکھ سکتے؟! اقبالؒ اُس کا جواب دیتا کہ عشق کا سجدہ کرو تو پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ تم خدا کو دیکھ سکتے ہو یا نہیں! ارے تم ذرا خدا کے عاشق تو ہو جاؤ! اور یاد رکھو، اگر عشق کا سجدہ کرنا ہے تو اس میں پائے صنم ضرور ہوگا (یہ ”پائے“ یعنی پاؤں ویسے استعارہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ضرور اللہ کو

دیکھ سکو گے خواہ کسی شکل میں ہو! اللہ کی تجلیات کا مشاہدہ کرلو گے اُس کا نور دیکھ لو گے۔۔۔۔۔ارے اقبال! تو کوئی مولوی مُلّا تو ہے نہیں پھر تو نے یہ مسئلہ کہاں سے سیکھا ہے؟ اقبال جواب دیتا ہے۔

میری جبینِ شوق کو بتا گیا راز کوئی!

یہ میرا شوق تھا۔ میں اس تلاش اور جستجو میں رہا اور رازداں نے مجھے یہ راز بتا دیا۔ ''رازدار'' تو انساں ہی تھا نا! تو اقبالؒ یہ تو نہیں کہتا کہ رسول اللہ کو میں نے دیکھا یا اُن کو میں نے کہا۔ کیونکہ وہ تو کل ہی ہو گزرا ہے۔ مگر رسول کا نائب وہ راز رسول سے لایا ہے جو کوئی اُس کی کامل اتباع کرے تو وہ خدا کا دیدار کسی شکل میں دل کی آنکھوں سے کرسکتا ہے۔

من نقدِ دو جہاں بردست دارم　　بہ بازارے کہ سودائے تو باشد

کسی چیز کے خریدنے کے لئے پیسوں اور نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا اللہ! جس بازار میں تیرا سودا ہوتا ہے۔ میں قیمت کے طور پر دو جہاں (دنیا و آخرت) لے آیا ہوں!

حدیث رسولؐ اَلدُّنْيَا لَكُمْ وَالْعُقْبٰى لَكُمْ وَالْمَوْلٰى لِىْ

کہ یا اللہ! اگر مجھے تیری رضا حاصل ہو جائے تو اُس کے بدلے میں دنیا و آخرت دونوں سے دستبردار ہو جاؤں گا!

چنانچہ تیسرا مسلک یہ ہے کہ اُس مردِ مومن کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ مگر جب اُس نے رسولوں کا کامل اتباع کیا تو اُس کو بہترین روحانی سکون حاصل ہوا۔ تو اُس نے کہا

کہ خدا نے میرے گناہ معاف کر دیئے اور مجھے مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ کر دیا۔ مجھے صاحبِ کرامت بنایا! اسی کو ولی کہتے ہیں! کشف اسی کو کہتے ہیں! اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں تین مسالک ہیں۔ پہلا تو یہ کہ وہ شخص واقعی جنت میں داخل ہو گیا۔ دوسرے مسلک کے بموجب اُس کو صرف جنت کی بشارت دے دی گئی۔ اور تیسرے مسلک کے بموجب اُس اتباع رسول میں جو کیف و سرور کی نعمت حاصل ہوئی وہ اس میں سرشار تھا اتنا مخمور و سرشار کہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ جو سرور اور نعمت عظمیٰ میں نے اتباع رسول میں محسوس کی ہے کاش یہ لوگ بھی اتباع رسول کر کے اُس جنت کا مشاہدہ کر سکتے!

یہ تو اس شخص کا حال تھا جس نے اتباع رسول کیا، اور رسولوں کے مخالفین کا کیا انجام ہوا؟ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اور میں نے اُس کے بعد اُس کی قوم پر کوئی عذاب نازل نہیں کیا! قوم تو عذاب کی مستحق ہو گئی تھی۔ مگر میں نے اُس کے لئے کوئی خاص بڑا اہتمام نہیں کیا! یہ نہیں کہ انہوں نے بغاوت اور سرکشی کی تو میں نے اُن کے خلاف فوج اور پلٹنیں بھیجی ہوں! میں نے آسمان سے فوجیں تو نہیں اتاری اور نہ اس کیلئے کوئی خاص اہتمام کیا۔ (حالانکہ خدا کے لئے یہ کونسا مشکل امر تھا!) اس مردِ مومن کو ایمان کے صلے میں اکرام عطا کیا گیا اور ان کافروں کو انکار کی پاداش میں عذاب! وہ عذاب کیا تھا؟!

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ صرف ایک چیخ تھی۔ عذاب کے

فرشتے آئے۔ اُن کے ایک چنگھاڑ سے سب لوگ ختم ہو گئے! فَاِذَاهُمْ خٰمِدُوْنَ ایک دم ٹھنڈے ہوکر گر پڑے۔ تباہ ہو گئے!

نتیجہ یہ نکلا کہ رسول کے اتباع میں اکرام تھا۔ کیف و سرور تھا اور لطف و اعزاز تھا! اور رسول کی مخالفت کا انجام عذاب الٰہی کی صورت میں تھا! تو اے مکّے کے باشندو! اے محمد الرسول اللہؐ کے دشمنو! دیکھ لو تمہارا ابھی یہی حال ہوگا! یہ سنت اللہ ہے۔ اگر ایمان لے آئے تو پھر اُس رجل مومن کے ساتھ شریک ہوگے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ ہائے افسوس ان بندوں کے حال پر! یہ کس افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس جو رسول بھی آیا ہے انہوں نے اس کی ہنسی اُڑائی ہے۔ ابتدا ہی سے ہر بستی میں ہر پیغمبر کے ساتھ یہی سلوک ہوتا آیا ہے۔ کہ جب کبھی رسول آیا ہے تو لوگوں نے اُس کے ساتھ گھٹیا بازاری مذاق کیا ہے اور اس طرح وہ نتیجتاً تباہی و بربادی کے مستحق ہوتے رہے ہیں۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ٥ یہ لوگ عبرت کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ میں نے اُن سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کیا ہے (کتنی قومیں تباہ کی ہیں)! اُن کو کیوں ہلاک کیا گیا؟ اس لئے کہ وہ رسولوں کی مخالفت کرتے تھے!

اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ٥ وہ ان کے پاس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے! یہی موقع ہے آنے والے وقت کے لئے تیاری کرنے کا! اپنا یہ موقع کیوں ضائع کرتے ہو۔ اب بھی وقت ہے! رسول کی تعلیم آ گئی ہے۔ اس کو قبول کر لو۔ تاکہ اُس

بُرے انجام سے بچ جاؤ جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ٥ یہ سب اگر مر گئے۔ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ تو کیا ہوا! کیا یہ سب ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئے؟! نہیں، ہرگز نہیں! یہ سب کے سب میرے پاس حاضر ہوں گے! میرے دربار میں ایک دن ان سب کی پیشی ہوگی۔ اور پھر ہر ایک اپنے اپنے نیک یا بد اعمال کے نتائج دیکھ لے گا۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ!

درس نمبر ۴

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ
الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ
﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ
اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ
فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ
الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ
نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ   اَحْيَيْنٰهَا

اورنشانی عبرت کی اُن کیلئے زمین ہے (کونسی زمین؟) مردہ یعنی بنجر زمین! یہ مردہ بنجر زمین

وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا   فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ

میں نے زندہ کی ہے (سرسبز کی ہے) اورنکالے ہیں اس زمین سے دانے   یہ اس سے کھاتے ہیں

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ   مِّنْ نَّخِيْلٍ   وَّاَعْنَابٍ   وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ

اورلگائے ہیں اُس زمین میں باغات کھجور کے اورانگور کے   اور جاری کئے ہیں اس میں چشمے

لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ   وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ

کہ کھاتے ہیں یہ ان میں سے میوے اور وہ جس میں نہیں کیا ہے عمل اُن کے ہاتھوں نے

اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ   سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

تو یہ کیوں شکرادا نہیں کرتے   پاک ہے وہ ذات شرک سے جس نے پیدا کئے ہیں جوڑے تمام

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ   وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

ان میں جو اُگتے ہیں زمین سے (نباتات میں جوڑے ہیں)   اور خود اُن میں سے (اُن میں بھی نرومادہ جوڑے ہیں)

وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ   وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ

اور ہر اس شے میں جس کا اُن کو ابھی علم نہیں (کہ ہر شے کا نرومادہ ہوتا ہے) اور اُن کیلئے نشانی عبرت

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ   فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ

کی رات ہے   میں نکالتا ہوں اُس میں سے دن (تو جب دن نکل جاتا ہے) تو یہ اندھیرے میں رہ

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ

جاتے ہیں اورسورج چل رہاہے اپنے مستقر کو جواُس کیلئے ہے یہ اندازہ ہے اس اللہ کا جو

وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ

غالب اورصاحب علم ہے اور چاند! میں نے مقرر کی ہیں اس کیلئے منزلیں یہاں تک کہ یہ پھر

كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ

واپس ہوکر کھجور کے پرانے سوکھے پتے کی طرح ہوجاتا ہے اورنہیں ہے مناسب سورج کو (نہیں

اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ

ہے طاقت سورج کی) کہ وہ پکڑلے چاند کو اورنہ رات آگے ہوتی ہے دن سے اور ہرایک

فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ وَاٰیَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا

اپنے اپنے مدار میں تیرتے ہیں (سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے ہیں) اورایک نشانی عبرت کی ان کے کیلئے یہ کہ

ذُرِّیَّتَهُمۡ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ

میں نے اُٹھائی ہے (یعنی سوار کی ہے) اُن کی اولاد بھری ہوئی کشتی میں اورمیں نے

وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا یَرۡكَبُوۡنَ وَاِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡهُمۡ

پیدا کئے ہیں اُن کے لئے اس کشتی کی طرح پانی اور خشکی میں جس پر یہ سواری کرتے ہیں اگر میں چاہوں تو اُن کو

فَلَا صَرِیۡخَ لَهُمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡقَذُوۡنَ اِلَّا رَحۡمَةً

ہلاک کردونگا پھران کی چیخیں کوئی بھی نہیں سُنے گا اورنہ یہ چھڑاسکیں گے مگر رحمت ہے

مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّقُوۡا

میری جانب سے اورمہلت ہے ایک وقت تک اور جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ محتاط

مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ وَمَا

رہو (اپنے آپ کو بچاؤ اُس دن کے انجام سے) تمہارے آگے جو مستقبل (آخرت ہے) اُس کے

خَلۡفَكُمۡ

متعلق احکام کے سلسلے میں تم نے جو اعمال بھیجے ہیں اور تمہارے بعد اعمال کے نتائج نکلیں گے

لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ وَمَا تَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے اورنہیں آتی اُن کو کوئی نشانی عبرت کی۔ اپنے

رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ

رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ اس سے پہلوتہی کرتے ہیں (اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، غور وفکر نہیں کرتے)

تشریح وتفسیر

گزشتہ درس میں کہا گیا تھا۔ یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ○ ان بندوں کے حال پرافسوس ہے کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے اُن کے ساتھ ہنسی، ٹھٹھا اور استہزاء کا رویہ اختیار کیا اور یہی (رسول کے ساتھ تمسخر واستہزاء) اُن کے لئے تباہی کا سبب بنا! اس سورت کا موضوع تمہیں بار بار بتاچکا ہوں اور اب پھر بتاتا ہوں کہ ''رسالت'' ہے

آج کے درس میں جو مضمون آرہا ہے یہ قرآن میں جابجا بار بار بیان ہوا ہے کلام اللہ میں پہلے ایک دعویٰ پیش ہوتا ہے۔ پھر اس کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں اور دلائل کی تائید وتوثیق میں تاریخی واقعات پیش ہوتے ہیں۔ اور پھر کائناتی

(آفاقی) دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مدعا ایک ہی ہوتا ہے اور اس سورت کا مرکزی نکتہ چونکہ ''رسالت'' ہے۔ اس لئے یہاں مدعا بھی ''رسالت'' ہے۔ اس کے مضامین مختلف طریقوں سے بیان ہوگئے۔ تاریخی واقعات بھی پیش کئے گئے اور رسالت سے انکار کرنے والوں اور رسول کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والوں کا انجام بھی بیان کیا گیا!

بعض مفسرین نے اس کا موضوع ''توحید'' بتایا ہے۔ اور چونکہ اس میں نباتات، فلکیات اور سمندروں وغیرہ کا بیان ہے۔ اس لئے انہوں نے ان تمام مباحث کو توحید کے موضوع پر منطبق کیا ہے۔ یہ حضرات بہت اونچے اور نچے اُڑے ہیں فلکیات کے مضمون میں آسمان، ستاروں، سورج چاند وغیرہ سب کی چھان بین کی ہے۔ پھر نباتات پر طبع آزمائی کی ہے اور آخر میں سمندر پر داد تحقیق دینے کے بعد بڑے فخر سے دعویٰ کیا ہے کہ دیکھا! موضوع سراسر توحید ہے! توحید کا مضمون تو سارے قرآن میں پھیلا ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس سورۂ مبارکہ میں بھی موجود ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ سورۂ یٰسٓ کا بنیادی موضوع کیا ہے! اگر معمولی سا غور فکر و تدبر بھی کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع رسالت ہے۔ بالخصوص آیت

یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ...... الخ تو صاف اعلان کر رہی ہے کہ مضمون رسالت کا ہے دنیا میں جب کبھی اور جہاں کہیں کوئی رسول آیا ہے تو نادان اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کی ہنسی اڑائی ہے۔ رسول اللہ کی رحمت بن کر اپنے ساتھ اللہ کی غیر مختتم نعمت لایا تھا۔ مگر یہ بدبخت اور سیاہ باطن لوگ اللہ کی رحمت و

نعمت کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر رسول اللہ کی ہنسی و استہزا اڑانے لگتے اور تمسخر و استہزاء کی انہیں بہت باری قیمت ادا کرنی پڑتی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے منصوبے میں رسالت ناگزیر جزو اعظم ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں میری ساری کائنات میں رسالت کا قانون جاری وساری ہے۔ ہر جگہ یہی قانون ہے تم رسالت کو عجیب کیوں سمجھتے ہو؟ اسے اہمیت کیوں نہیں دیتے؟ اس سے انکار کیوں کرتے ہو؟

تو اب رسالت کے حق میں کائنات کی دلیل دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے۔ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ یہ مضمون گزشتہ بیان کے سمجھانے اور واضح کرنے کے لئے ایک مثال اور ایک نشانی ہے۔ یعنی رسالت کی وضاحت کے سلسلے میں ایک عبرت کی نشانی ہے کہ رسالت ایک فطری اور نہایت اہم اور ضروری چیز ہے۔ کیونکہ انسانیت کی بقا اور فلاح و ترقی دارومدار اسی پر ہے!

قرآن سب سے پہلے جن لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ کون تھے؟ کافر و مشرک تھے اُن کے سامنے اگر منطق اور فلسفہ کے دلائل پیش کئے جاتے تو ان دقیق مسائل کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہاں کالج اور یونیورسٹیاں نہیں تھیں۔ قرآن کو بہ طور دلیل پیش کرنے سے بھی وہ متاثر نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ حضور رسول اللہؐ کے ساتھ اُن کا سارا جھگڑا تو قرآن ہی پر تھا۔ اور قرآن سے وہ منکر تھے۔ اس لئے اُن کے سامنے ایسی چیزوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ جن کی صداقت سے وہ انکار نہیں کر سکتے تھے چنانچہ قرآن اُن سے کہتا ہے کہ تم تو رسالت کی قدر و عظمت نہیں جانتے کہ یہ کتنی اہم اور عظیم نعمت ہے۔ مگر میں تمہیں ایک آسان دلیل دیتا ہوں:

اس زمین کے متعلق تھوڑی دیر کے لئے سوچو۔تم اس پر چلتے پھرتے ہو۔ اوراس کو کاشتکاری کے لئے استعمال کرتے ہو۔ جب تمہاری زمین مُردہ یا بنجر ہوتی ہےتوتم اس میں کاشت کرنے سے مایوس ہوجاتے ہواورحسرت سے یہ سوچتے ہو کہ کاش یہ دوبارہ سرسبز وشاداب ہوجائے ۔مگر یہ زمین کب اور کیسے سرسبز وشاداب ہوسکے گی۔اس کیلئے خدا کا قانون کونسا ہے؟ خدا اگر چاہےتومُردہ اوربنجرزمین سے بھی فصل اُگا سکتا ہے۔ پتھروں پراُگا سکتا ہے۔مگراُس نے اس مقصد کیلئے ایک قانون بنایاہےاوروہ یہ ہے کہ اس مُردہ اوربنجرزمین کووقتاً فوقتاً مناسب طریقے سےاورمطلوبہ مقدارمیں پانی پہنچتا رہےتواس میں جواستعداد اور مادہ خوابیدہ حالت میں ہوتا ہے۔ وہ جاگ اُٹھتا ہے اس کو کائنات میں خدا کافعل کہتے ہیں۔تو اس عظیم اور لامتناہی کائنات کے اندرانسان بذاتِ خودبھی ایک کائنات ہے۔ یہ خودبھی ایک مستقل دُنیا ہے۔زمینوں،آسمانوں،سمندروں اوراجرام فلکی کے مقابلے میں انسان بہ ذاتِ خود بھی ایک عالم ہے۔امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے ایک شعرمیں فرماتے ہیں

أَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِسْمٌ صَغِيْرٌ . وَفِيْكَ انْطَوٰى عَالَمُ الْاَكْبَرُ

تمہاراکیا گمان ہے کہ تم ایک صغیرجسم ہو۔تجھ میں ایک عالم اکبر ہے!

تو اس کائنات میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ اگرزمین مُردہ اوربنجر ہواُس کی سرسبزی اورشادابی کی کوئی امید نہ ہو۔اورتم چاہو کہ یہ فصل اُگائے اوراس سے میوے پیدا ہوں تو اس مقصد کے لئے اُس نے اسباب پیدا کئے ہیں خدا اُس کو پانی کے

ذریعے زندہ اورسرسبز وشاداب کرتا ہے!بعینہٖ اسی طرح انسانی دل ودماغ کی یہ زمین اگرسوکھی اوربنجر ہوتواس کی تازگی اورشادابی کے لئے پانی کہاں سے آئے گا؟ وہ خدا کی رحمت کا پانی ہے۔جورسولوں اورنائبینِ رسول کے سینوں کے بادلوں میں سے آتا ہے۔اگران دل ودماغ نے اُن کی تعلیم قبول کرلی۔تو یہ نیک معاملگی ، بلنداخلاق اور صالح اعمالی کی فصلیں اُگا دیتا ہےلوگوں کے دل ودماغ ، اعمال اوراخلاق اگرصحیح و صالح ہوں۔اگر پورا معاشرہ صالح اور پسندیدہ ہوتو یہ مُردہ زمین کے زندہ ہوجانے کے مشابہ ہیں!اَحْيَيْنَا اللہ کہتا ہے کہ میں نے زمین کوزندہ کیا ہے!تو کیااللہ بغیر پانی کے زندہ نہیں کرسکتا؟ کیوں نہیں! مگر قانون یہ ہے کہ پانی کے ذریعے زمین کوزندگی ملے گی! وہ تو پیغمبروں کی ہدایت کے بغیر بھی تمام انسانوں کوولی پیدا کرسکتا تھا۔مگر یہ اُس کا قانون نہیں ہے!

وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ اوراس سے میں نے دانے نکالے ہیں!یعنی بارش ہوجاتی ہے۔فصل اُگ آتی ہے۔اس سے دانے پیدا ہوجاتے ہیں۔تو پھرلوگ اس سے کھاتے ہیں۔اسی طرح جب ایک رسول یا کوئی نائب رسول کسی قوم کے پاس آئیں اورقوم ان کی تعلیم قبول کرلےتو جس دل ودماغ تک یہ پانی پہنچ جائے۔وہ نہایت نفع بخش اورفیض رساں ثابت ہوتا ہے۔دیکھ لیجئے اسلام کی تعلیم کتنی اعلیٰ اورنفع بخش ہے۔یہی عرب تھے، یہی صحابہ تھے کہ کسی زمانے میں یہ جاہل، کافراور بدکار تھے۔مگر نبی ﷺ کی تعلیم وتبلیغ اوراس کی حقانیت کےفیض کا پانی جب اُن کومل گیا تو کیا سے کیابن گئے!ولی،قطب،غوث،عالم،جرنیل،موجداورقائدوغیرہ بن کرانہوں نے

تمام دنیائے انسانیت کو سیراب کر دیا۔تو اے لوگوں تم لوگ حضور پر نور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کی رسالت سے انکار کیوں کرتے ہو؟

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ. اس میں کھجور اور انگور کے باغات لگوائے ہیں۔وَ فَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُوْنِ . اوراس میں چشمے جاری کر دیئے ہیں!!رسول کی تعلیم سے بھی دل مُردہ میں چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔جن کے فیض اور برکت سے وہ ''دل بیدار'' بن جاتا ہے۔

وصف بیداریٔ دل اے معنوی می نہ گنجد در ہزاراں مثنوی

رسولوں کی نظر کیمیا اثر سے جو دل ایک دفعہ زندہ و بیدار ہو جائیں تو وہ فیض کے چشموں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔پھر ان سے علوم صادر ہوتے ہیں۔اوردلِ دانا وچشم بینا کے عجیب عجیب کرشمے ظہور میں آتے ہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اے عمر! تو اپنی پچھلی حیثیت نہ بھول! تو ایک کمزور و ناچیز نوجوان تھا۔اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا اوراس کی ڈانٹ ڈپٹ بھی سنتا رہتا! تو کمبل سے بنی ہوئی قمیض پہنا کرتا۔جس میں بٹنوں کی جگہ ببول کے کانٹے لگے ہوتے!اب تو اسلام کی برکت سے بڑا آدمی بن گیا!'' یہی عمر آگے چل کر عمر فاروق اعظم بنا اوراُس کے نام سے شام،مصراورروم کے بادشاہ لرزتے تھے!یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس نے رسالت کے سینے سے اللہ کی رحمت کا پانی قبول کیا۔

اس کے مقابلے میں عمر نام کا ایک اور شخص بھی تھا۔جس کی کنیت ابوالحکم تھی لیکن جب

اس نے رحمت کے پانی سے انکار کیا تو اس کی کنیت ابوالحکم کی جگہ ابوجہل ہوگئی اوراس کا جو عبرت ناک انجام ہوا وہ آپ سب کو بخوبی معلوم ہے! رسالت کے آبِ حیات سے عمر بن الخطابؓ کے دلِ مردہ نے ایسی زندگی حاصل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ جس راستے پر عمرؓ جا رہا ہوتا ہے۔شیطان ڈر کے مارے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے پر ہو لیتا ہے! اُن کی رائے بہت صائب ہوا کرتی تھی اوراکثر ان کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوا کرتی۔جس کی وجہ سے ان کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ ینطق علیٰ لِسانِ عُمَرَ یعنی اللہ عمر کی زبان سے باتیں کرتا ہے!!

انہیں حضرت عمرؓ کی خلافت کا واقعہ ہے۔مدینہ سے سینکڑوں میل دور ایران مین کفر اوراسلام کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔امیر المومنین جمعے کا خطبہ دے رہے ہیں۔اثناءِ خطبہ میں انہوں نے یکا یک پکار کر فرمایا یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ الْجَبَلَ اوراس کے بعد پھر خطبہ جاری رکھا۔سامعین حیران تھے کہ انہوں نے یہ بے ربط اورغیر متعلق الفاظ کیوں کہے مگر اُن کو ادب کی وجہ سے نائب رسول پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔کچھ عرصہ بعد ایران سے مجاہدین واپس آئے تو انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن دشمن کا ایک دستہ ہم پر پہاڑ کی اوٹ سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ہمیں کچھ معلوم نہ تھا اوراگر یہ حملہ ہو جاتا تو ہماری شکست یقینی تھی کہ اتنے میں سالارِ لشکر ساریہ نے اچانک امیر المومنین کی پکار سنی کہ اے ساریہ! پہاڑ پہاڑ! پیچھے پہاڑ کی طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے! چنانچہ ہم نے عین موقع پر اُن کا حملہ پسپا کر دیا! صحابہ نے

پوچھا کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا! اب خیال کیجئے اور اندازہ لگایئے! حضرت عمرؓ مدینے میں ہیں۔ وہاں سے ہزاروں میل دور جنگ ہو رہی ہے۔ ان کی نظر نے ہزاروں میل دور کا منظر دیکھا اور جب انہوں نے اُن کو بروقت خبردار کیا۔ تو اُن کی آواز سینکڑوں میل دور میدان کارزار میں مصروفِ جنگ مجاہدین اور اُن کے سالار نے سنی!

یہ میں نے لفظ ''چشمہ'' کی تشریح کی کہ اگر کوئی انسان اللہ اور اللہ کے رسول کی رحمت کا پانی (یعنی آبِ حق) قبول کرلے۔ تو اس کے دل و دماغ میں تمام علوم سما جاتے ہیں!! لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ جب زمین سرسبز ہوجاتی ہے تو لوگ اس سے میوہ کھاتے ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال اور اعلیٰ اخلاق سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے!! وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ کاشتکار ابتدا میں صرف ہاتھ کی محنت سے فصل بودیتے ہیں اور پھر بےفکر ہو جاتے ہیں۔ ان کونپلوں کا اُگانا اُن کو بڑا کرنا اور پھر ان میں میوہ پیدا کرنا کس کا کام ہے؟ اللہ کا! وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ کے دو معانی ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں ان کے ہاتھوں نے کوئی عمل نہیں کیا تھا! اللہ کا منشا یہ ہے کہ زمین میں میرا یہ منصوبہ چل رہا ہے یہ میرا فعل ہے۔ جب کائنات کے لئے اور ان کے جسم کے رزق کے لئے میں نے یہ نظام بنایا ہے۔ تو کیا انسانیت کی روح اور دائمی زندگی کے لئے میں نے کچھ انتظام نہیں کیا ہوگا؟! چونکہ میں رب ہوں۔ مردہ زمین کو میں زندہ کردیتا ہوں اور اس سے فصلیں اور میوے اُگاتا ہوں۔ جنہیں یہ انسان اور مویشی کھاتے ہیں! تو میں نے (اپنی ربوبیت کو مدنظر رکھتے ہوئے) ان کے جسم کا انتظام کیا ہے۔ مگر اصل اور اہم چیز تو ''روح'' ہے! تو کیا میں نے اُن کی

روح و دماغ، ایمان اور آخرت کا کچھ انتظام نہ کیا ہے!! اب تمہاری سمجھ میں رسالت کی اہمیت آگئی ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے اس کے لئے اللہ کا شکر یہ ادا کرو! اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں!! آپ آج یہ بات کہہ رہے ہیں اور قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حقیقت کہی تھی۔ پہلے تو صرف انسانوں اور حیوانوں میں نر اور مادے کا علم تھا اور یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ان کے علاوہ بھی کسی چیز میں جوڑے موجود ہیں۔ پھر کافی عرصہ بعد نباتات میں نر اور مادے کا انکشاف ہوا۔ بلکہ اب تو معلوم ہوا ہے کہ جمادات میں بھی جوڑے ہیں اور نہ جانے مستقبل میں مزید کن اشیاء میں جوڑوں کا انکشاف ہو! قرآن نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں کہا ہے کہ ہر چیز میں نر اور مادہ (منفی اور مثبت) ہیں! اسی طرح دنیا میں منفی اور مثبت کے بھی جوڑے ہیں! کفر و اسلام، حق و باطل، توحید و شرک، علم و جہل اور نیک اعمالی و بداعمالی کے جوڑے بھی ہیں۔ مثلاً باطل کا اندھیرا چھایا رہتا ہے تو اس پر جب حق کی روشنی آجائے تب وصال ہوگا!

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ان میں بھی جوڑے ہیں جو زمین سے اُگتے ہیں اور تمہارے جسموں میں بھی! نر و مادہ تم میں بھی ہیں اور اِن اشیاء میں بھی جوڑے ہیں۔ جن کا ابھی تمہیں علم نہیں ہے!! ہر شے کی صورت میں جب تک مادے کی رحم تک نر کا نطفہ نہیں پہنچتا تو حمل قرار نہیں پاتا! اور انسان کے دل و دماغ کو بھی جب تک رسول کے ذریعے حق کا فیض نہ پہنچے تو تب تک

نیک اعمال نہیں اُگ سکتے۔

وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیۡلُ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّھَارَ اگر اس دلیل کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکے تو دوسری دلیل رات کی دی جاتی ہے۔ ''رات'' ان کے لئے ایک نشانی ہے! ''رات'' کس کو کہتے ہیں؟ جب سورج غروب ہو جانے کے بعد روشنی غائب ہو جائے تو اس کو رات کہتے ہیں۔ تو ارشاد ہوا ہے کہ اُن کے لئے رات ایک نشان عبرت ہے۔ جس میں سے میں دن نکالتا ہوں۔ یعنی تمہاری نظروں سے سورج غائب کر دیتا ہوں تو رات ہو جاتی ہے۔ فَاِذَا ھُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ اور لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں!!

اسی طرح انسانی دل و دماغ کے لئے بھی جب حق کا سورج غروب ہو جائے تو لوگ گُھپ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اگر دل و دماغ کو روشنی دینا مقصود ہو تو اس کو نبوت و رسالت کے سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی دینی ہوگی! دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالئے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا ایا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو گزرے ہیں۔ اُن کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ انسان جب ابتداء میں پیدا ہوا تو توحید کی روشنی دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ آدم علیہ السلام کی مثال سورج کی تھی۔ وہ جب دنیا سے اُٹھ گئے تو سورج ڈوب گیا اور لوگ نبوت کی تعلیم فراموش کر گئے۔ اس لئے دنیا اندھیرے میں ڈوب گئی۔ پھر خدا نے دوسرا پیغمبر بھیج دیا۔ تو پھر حق کا وہ آفتاب چڑھ آیا اور ہر طرف روشنی پھیل گئی!!

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّھَا سورج اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اپنے مستقر پر جا رہا ہے! کبھی طلوع ہوتا ہے اور کبھی غروب! مگر غروب بھلا کہاں ہوتا

ہے۔ یہ تو ہمارا اور آپ کا خیال ہے۔ صرف ہماری نظروں سے چُھپ جاتا ہے۔ جس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سورج ڈوب گیا! حالانکہ سورج کبھی ڈوبتا نہیں۔ صرف کبھی کبھی ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ کبھی اوجھل ہو جاتا ہے اور کبھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حق کی مثال بھی سورج کی ہے۔ جس قوم کے پاس رسول اور نبی آتے ہیں تو یہ اُن پر طلوع ہوتا ہے۔ اور جب اس پیغمبر کی تعلیمات پر لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں تو یوں سمجھو گویا ان کے لئے سورج غروب ہو گیا۔

ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ یہ تخمینہ اور اندازہ اسی ذات کا ہے جو غالب اور علیم ہے۔ وہ کائنات میں انسانیت کے دل و دماغ کو اپنانے کے لئے ہمیشہ حق کا یہ چکر لگاتا رہتا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی طرح آتے رہتے ہیں کہ جب آفتابِ نبوت کی تعلیم گم ہو جاتی ہے تو کفر و شرک کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور جب دوسرا نبی آتا ہے تو پھر اس کی تعلیمات کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس!

وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ چاند کے لئے میں نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ ''حق'' سورج ہے۔ نبی اور نائب نبی اسی سورج سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ اے نبی! آپ کے دل پر یہ قرآن جبریل نے نازل کیا ہے اللہ کی طرف سے! تو اگر اللہ اور حق کو ہم ''سورج'' سمجھ لیں۔ تو ''رسول'' کو ہم چاند کہہ سکتے ہیں۔ قرآن میں بھی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان ہوئی ہے۔ سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا رسالت کی چاند کی بھی اسی طرح منزلیں مقرر ہیں۔ پہلے نہایت نحیف و نزار صورت میں ظہور کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ

ترقی کرنے لگتا ہے! نبی دعویٰ کرتا ہے۔ اُس کی مخالفت ہوتی ہے۔ اُس کو تکلیفیں ملتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس کے بعد بدرِ کامل آہستہ آہستہ گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ ایسا زمانہ آتا ہے کہ نبی کی تعلیمات زائل ہونے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ بالکل معدوم ہو جاتی ہیں اور دنیا اندھیروں میں ڈوب جاتی ہے۔ **حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ** چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی طرح ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ نہ سورج میں یہ طاقت ہے کہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ رات دن سے آگے ہو سکتی ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ رسول انسان کی شکل میں دنیا میں آتا ہے اور اپنا وقت پورا کر کے چلا جاتا ہے۔ مگر حق تو قائم و دائم ہے۔ اللہ حق کو ایک انسان کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ وہ چلا جاتا ہے تو دوسرے سے کام لیتا ہے اور اگر وہ بھی نہ رہے تو تیسرا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس!

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت ہمیشہ حق پر ہوگی! یہاں اگر ایک گروہ میں اسلام کمزور ہو جائے تو دوسری جگہ غالب ہو جائے گا۔ پہلے اسلام عرب میں غالب تھا۔ عرب میں کمزور ہو گیا تو عجم میں قوت پکڑ گیا۔ وہاں طاقت کمزور پڑ گئی تو اسلام کے غلبے کا فرض ترکی کے حوالے ہوا اور جب ترکی کمزور ہوئی تو یہ سعادت پاکستان کو ملی! تاریخ کے ہر دور میں ہمیشہ کسی نہ کسی کے ہاتھ سے اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل رہے گا!!

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ اور سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں! مدار

چاند کا وہ دائرہ ہوتا ہے۔ جس کے اندر گرمی، سردی اور رات دن کی منزلیں ہوتی ہیں۔ اسی کو فلک کہتے ہیں۔ فلک آسمان کو نہیں کہتے بلکہ اس مخصوص چکر، دائرے اور راستے کا نام ہے!! یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں! اب اگر ہم یہاں فلکیات کے مباحث میں اُلجھ جائیں۔ تو اس سے تضیع اوقات کے سوا اور کچھ فائدہ نہ ہوگا!

فلکیات کا ماہر کون ہے؟ قرآن کا خطاب تو ہر کسی سے ہے! اب یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے کہ سورج گھومتا ہے، چاند گھومتا ہے یا آسمان گھومتا ہے؟! چونکہ فلکیات عوام کا مضمون نہیں ہے اس لئے ہم اس میں نہیں الجھنا چاہتے اور قرآن کا منشاء بھی یہ نہیں کہ یہاں سائنسی مباحث شروع کر دیں!!

یہی حال آفتابِ حق کا بھی ہے۔ رسالت اور نائب رسالت کے سورج کی بھی یہی مثال ہے۔ لوحِ محفوظ سے حق کے جو علوم آتے ہیں۔ تو وہ کبھی کسی زمانے میں رسول کی شکل میں ہوتے ہیں کبھی نائب رسول کی صورت میں کبھی اُن کی تعلیمات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ کبھی زیادہ ہوتے ہیں کبھی کم۔ مگر اپنی مسافت پر یہ باقاعدہ آتے جاتے ہیں۔ یہ اپنے مقدس مشن کی رفتار جاری رکھتے ہیں۔ اس لئے قرآن کہتا ہے کہ اے مخالفو! تم حق کے اس سورج اور چاند کے خلاف چاہے لاکھ بے کار کوششیں اور مذموم حرکات کرو۔ اس کا فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ ؎ مہ نوری فشاند وغوغا کند سگاں! چاند اپنی مسافت طے کر رہا ہے۔ اگر کتے اسے دیکھ کر منہ اٹھا کر بھونکنا شروع کریں۔ تو اس سے چاند کے فرضِ منصبی میں کچھ حرج واقع نہیں ہوتا! رسالت کا چاند اپنی منزل کی طرف جا رہا ہے۔ غوغائے سگاں سے اس کی رفتار رک نہیں سکتی اور نہ ہی اس کی نور

فشانی میں کچھ کمی ہوسکتی ہے!اسی طرح مخالفین اور معاندین اگر اسلام کی تبلیغ اور پیغمبر کی تعلیم پر شکوک وشبہات اوراعتراضات کریں تو اس سے اسلام کی اشاعت اور رسول کے مشن پر کچھ اثر نہیں پڑتا!

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ اللہ فرماتا ہے کہ اس دوسری دلیل کو بھی اگر نہیں سمجھ سکے تو تیسری دلیل سنو! تمہارے لئے ایک نشانی عبرت کی یہ ہے کہ میں نے تمہاری اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ہے!! بعض مفسرین نے اس سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد لی ہے۔مگر میرے خیال میں یہاں عام کشتی یا جہاز کی مثال دی گئی ہے۔عرب تجارت پیشہ لوگ تھے اور سمندروں میں تجارتی کشتیاں استعمال کرتے تھے۔تو یہ بھی خدا کی رحمت کی ایک نشانی ہے کہ لوگ کشتیوں (اورآجکل جہازوں) میں بیٹھ کر تجارت یا دیگر اغراض کے لئے سمندری سفر کرتے ہیں۔سمندر میں ڈوبنے سے بھی محفوظ رہتے ہیں اور منافع بھی کماتے ہیں!!

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی اور متعدد چیزیں پیدا کی ہیں۔جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔عرب میں اونٹ تھے،گدھے تھے،گھوڑے تھے۔یہاں بھی گھوڑے تھے،گھوڑوں سے اب گاڑیاں بن گئیں موٹر کار اور جہاز بن گئے۔یہ تمام ذرائع اور اسباب خدا نے پیدا کئے ہیں!

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ اور اگر میں چاہوں تو ان کو غرق کردونگا۔پھر یہ نہ چیخ و پکار کرسکیں گے اور نہ چھوٹ سکیں گے۔صرف خدا کی رحمت ہی ان کو نجات دلاسکتی ہے! اس سے کیا

مراد ہے؟ یہ کائنات ایک سمندر ہے۔رسول اپنی تنظیم اُمت کی کشتی میں بیٹھ کر آتا ہے۔وہ اُمّت کی تنظیم کرتا ہے! تو نبی کی تنظیم میں جو بھی شامل ہوگیا (یعنی نبی کی کشتی میں جو بیٹھ گیا) وہ نجات پائیگا۔اور جو نبی کی تنظیم سے انکار کرے گا وہ تباہ ہوگا! مَثَلُ اُمَّتِىْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ تَمَسَّكَ بِهَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے آئے تو اپنی تنظیم کی ایک ایسی کشتی (یا جہاز) بنائی۔جیسے شیر اپنے لئے ایک غار بناتا ہے اور اس میں اس کے اپنے بچے محفوظ بیٹھے ہوتے ہیں۔اسی طرح حضور پرنور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کی کشتی میں جو سوار ہوگیا۔وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اس سے انکار کیا۔وہ تباہ وبرباد ہوگیا! مَنْ شَذَّ شُذَّ فِى النَّارِ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام کی تنظیم اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوگیا۔وہ آگ میں اکیلا داخل ہوگیا! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر علیحدہ ہوا تو اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال لیا! تو جس طرح تمہارے لئے (یعنی تمہارے جسم کے لئے) تحفظ اور زندہ رہنے کے لئے ایک نظام پیدا کیا ہے۔اسی طرح تمہارے دل ودماغ کی روحانی تربیت کے لئے خدا نے ایک ”حق نظام“،”حق جماعت“اور”حق تنظیم“ قائم کی ہے۔جس میں سراسر تمہارا مفاد ہے۔یہ خدا کی رحمت ہے اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے!!

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اللہ کہتا ہے کہ جب ان کو کہا جائے کہ اپنے آپ کو بچاؤ، ڈرو، سوچو اور فکر کرو! مَا بَيْنَ

اَیۡدِیۡکُمۡ تمہارے سامنے آخرت کی ایک منزل آنے والی ہے اس کے لئے تیاری ضروری ہے۔ وَمَا خَلۡفَکُمۡ تم نے جو عمل کیا ہے اس کا بعد میں نتیجہ کیا ہوگا؟ تباہی! پیغمبر تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ ایسے اعمال کرو جو آگے چل کر تمہارے کام آسکیں! وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ (سورۃ مزمل) تم اپنے سے آگے جو نیک عمل روانہ کروگے۔ اس کو اللہ کے پاس موجود پاؤ گے! حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہوا ہے کہ ہوشیار آدمی وہ ہے جو اپنا نفس قابو میں رکھے اور ایسا عمل کرے جو موت کے بعد اس کے کام آئے۔ نبی ﷺ تمہیں بار بار یہی بتاتا ہے۔ نبی کی تعلیم اور اس کے نصب العین کا نشانہ آخرت ہے۔ وہی عمل کرو۔ جس سے آخرت سنور جائے۔ وہی اعمال کرو جس کی وجہ سے آخرت کی تباہی سے بچ جاؤ۔ گزری ہوئی قوموں کا انجام تو تمہیں معلوم ہے! نبی اس لئے تمہیں یہ نصیحت کرتا ہے لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ خدا نے اپنی مخلوق غضب کے لئے نہیں بلکہ رحم کے لئے پیدا کی ہے۔ مگر وہ رحمت تب کرتا ہے جب اس کی مخلوق اپنے آپ کو اس کی رحمت کے مستحق بھی ثابت کریں۔ مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ

وَمَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ پھر وہی افسوس ہے یَا حَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ کی طرح! افسوس ان لوگوں کے پاس کوئی نشانی ایسی نہیں آتی۔ جس سے یہ اعراض نہ کرتے ہوں۔ یعنی اُن کے پاس اُن کے رب کی جو نشانی بھی آتی ہے۔ یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں! یہ کائنات اللہ کا فعل ہے۔ اس میں اس کی نشانیاں ہیں۔ مگر ان عبرت کی نشانیوں سے

سب غفلت کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں! سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے! خیال کیجئے کتنے دلائل دیئے گئے! یہ اس لئے کہ نبی حق ہے۔ نبی مفید عام ہے، نبی منبع فیوض و برکات ہے اور انسانیت کی بقا اور ترقی کا دارومدار سراسر نبی کی تعلیم پر ہے۔ جن انسانوں نے نبی پر ایمان لاکر اس کی پیش کردہ تعلیم کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا۔ وہ دینوی اصلاح اور آخروی فلاح کے مستحق ہوئے۔ اور جن بدبختوں نے نبی پر ایمان لانے کے برعکس اس کی مخالفت اور دشمنی کی اور اس کی بہترین اخلاقی و روحانی تعلیم کی تکذیب کی۔ وہ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ کے مصداق ہوئے!!

درس نمبر ۵

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ
مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ
يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ
لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ
فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾
لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ
اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

ترجمہ:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور جب کبھی کہا جاتا ہے ان کافروں کو، خرچ کرو اس میں سے جو خدا نے تمہیں دیا ہے خدا

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ

کی رضا کے لئے خرچ کرو تو کہتے ہیں کافر مومنوں کو کیا ہم خرچ کریں ان پر اور کھلائیں

يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ ط اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

ان لوگوں کو کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو کھلاتا نہیں ہو تم اس بات میں مگر صاف گمراہی پر

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ مَا

مسلمانوں کے لئے یہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ روز جزا اگر تم سچے ہو یہ انتظار نہ

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ

کریں وہ تو بس ایک چیخ ہوگی کہ وہ پکڑے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑے مباحثے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ

کر رہے ہونگے پھر طاقت نہیں ہوگی ان میں کسی کو وصیت کرنے کی اور نہ اپنے گھروں کو

يَرْجِعُوْنَ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ

واپس جانے کی اور پھونکی جائے گی صور (اعلان کیا جائے گا) تو یک دم یہ قبروں سے

اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ

اپنے رب کی طرف تیر کی طرح تیز جائیں گے کہیں گے یہ ہائے افسوس! کس نے اُٹھایا ہم کو

مِّنۡ مَّرۡقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَ
اس خوابگاہ سے!(تو کہا جائے گا) یہی وہ دن ہے جس کا وعدہ کیا تھا رحمان نے اور
صَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً
رسولوں نے تمہیں سچی خبر دی تھی (رسول سچے ہوگئے یا نہیں) اس روز نہیں ہوگی مگر ایک چیخ
وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ فَالۡيَوۡمَ لَا تُظۡلَمُ
(اللہ کہتا ہے) پھر تمام میرے پاس حاضر کیئے جائیں گے تو آج کے دن ظلم نہیں ہوگا
نَفۡسٌ شَيۡـًٔا وَّلَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ اِنَّ
کسی نفس پر کچھ بھی اور بدلہ نہ دیا جائے گا کسی کو مگر اُس کا جو اُس نے عمل کیا ہو اور یقیناً
اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ
مالک جنت کے اس دن شغل میں ہونگے، میوے کھائیں گے! وہ اور انکی بیویاں یعنی ان کے
فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ
ہم جنس سایے میں ہونگے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے اُن کے لیئے اس میں میوے ہوں گے اور
وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ
اُن کے لئے وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اُن کے لیئے سلامتی ہر طرف سے یہ خبر ہوگی رب رحیم کی طرف
وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ
سے (کہ آج تمہارے لئے سلامتی ہے) اور (کہا جائے گا) آج الگ ہو جاؤ اے مجرمو!
اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا
کیوں کیا میں نے تاکید نہیں کی تھی (نبی کے ذریعے) تم کو اے آدم کی اولاد کہ تم

تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ وَ
عبادت نہ کرو شیطان کی (تم نے کیوں کی؟) وہ تو تمہارا صاف اور کھلا دشمن ہے! اور
اَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ
میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے (یہی انجام ہے جو تمہیں ملا)

تشریح و تفسیر

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر میں پچاس سال سے غور و تدبر کرتا آیا ہوں! جتنی کتابیں مجھے اس سلسلے میں ملیں۔ ان سب کا میں نے مطالعہ کیا۔ مگر مسئلہ حل ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اور میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا کہ اس آیت کی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ یہاں موجودگی کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے! بہ ظاہر یہ آیت یہاں بالکل بے ربط اور غیر موزوں نظر آتی تھی! مگر بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا فہم عطا فرمایا۔ اور اس مشکل اور پیچیدہ آیت کے ربط و موزونیت اور سیاق و سباق کے ساتھ مطابقت سے متعلق تمام پیچیدہ مسائل حل ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ سورت کے بنیادی موضوع کا ایک مسلسل اور مربوط بیان ہو رہا تھا۔ اس ایک آیت نے اچانک بیچ میں آ کر کیوں بظاہر سارے سلسلۂ کلام میں رخنہ ڈال دیا؟ یعنی اس مسلسل اور مربوط بیان کے اندر یہ آیت کیسے موزوں (فٹ)

اورمناسب لگ سکے گی!

کل اس آیت پر درس کا اختتام ہوا تھا۔ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** اے مخالفو! اپنے آپ کو ان حالات سے بچاؤ جو تمہارے آگے قیامت میں آنے والے ہیں اور تمہاری بداعمالیوں کے جو نتائج پیچھے آنے والے ہیں۔ تو اس کی وجہ سے خدا تم پر رحم کرے گا! مگر مشرکین یہ سب کچھ کہاں مانتے تھے! وہ نہ تو یوم آخرت پر یقین رکھتے تھے نہ اعمال کے نتائج پر اور نہ گزری قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنا جانتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں خبر دی جائے تو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دیتے ہیں۔ بلکہ دعوت حق سے صاف منہ پھیر لیتے ہیں۔ **وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ** دیکھا! یہاں اللہ نے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ناعاقبت اندیشی کی شکایت کی ہے کہ ان کے پاس اللہ کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے۔ یہ اس سے ہدایت قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اعراض کرتے ہیں۔ ناک بھوں چڑھا کر منہ پھیر لیتے ہیں! ''حکم'' کو بھی قرآن کی آیت کہتے ہیں۔ اور اگر آنے والے مضمون کے ساتھ اسکا ربط لگایا جائے تو پھر آیات کے معنی ہیں ''عبرت کی نشانیاں'' یہی اصل سبق ہے کہ جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ اپنے انجام سے ڈرو اور گزری ہوئی قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرکے آئندہ کے لئے تیاری کرلو۔ تو یہ منکرین ناگواری سے ماتھے پر بل ڈال کر منہ پھیر لیتے ہیں!!

جیسا کہ میں ابتدا میں بتا چکا ہوں۔ میں پچاس سال سے اس آیت کے ربط

کے سلسلے میں پریشان تھا کہ سورت مبارکہ کے مسلسل اور مربوط بیان کے درمیان ''انفاق'' (خرچ) کا ذکر کیسے آ گیا! تو اس کی توجیہہ بیان کی جاتی ہے! اسلام کی ہدایت یہ تھی کہ نیکی کرو۔۔۔ ایثار وقربانی کرتے رہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ملت کی ایک اجتماعی صورت بنائی۔ ایک جماعت، ایک اُمت اور ایک ملت وہ جس کو ہم ملت کہتے ہیں۔ مسلمانوں کی اجتماعی صورت کا نام ہے! اجتماعی صورت کے لئے اینٹیں اور پتھر تو موجود ہوتے ہیں۔ مگر جب تعمیر کا کام شروع کیا جائے تو محض یہی دو چیزیں کافی نہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور چیزوں مثلاً سیمنٹ، سیخ اور گارے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اجتماعی معاشرے میں پیسہ بہت اہم اور لازمی چیز ہے اور اس کے لئے ایثار وقربانی کرنی پڑتی ہے۔ یعنی ''پیسہ'' انسان کو بہت عزیز ہوتا ہے اور اس کا خرچ کرنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ مگر ملی مفاد کے خاطر یہ ایثار وقربانی کرنے میں ہی انسان کی فلاح اور کامیابی ہے!

اب میں ایک مسئلے کی طرف تمہاری توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں انفرادی لحاظ سے دیکھیں تو قرآن کے تمام احکام ''پیسے'' کی محبت کے خلاف ہیں۔ ''پیسہ'' ایک مذموم اور گمراہ کن شے ہے۔ اس کو جمع کرنا اور اس سے محبت رکھنا منع ہے۔ مگر اجتماعی نظام میں ''پیسے'' کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ **وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا** بے وقوفوں اور احمقوں کو اپنا مال مت دو۔ کیونکہ اس مال میں تمہارے لئے ''قیام'' ہے! یہ مال اتنی اہم چیز ہے کہ قوم و ملت کی بقا کا انحصار اسی پر ہے! انسان کے جسم کی بقا کس چیز پر منحصر ہے؟ خون پر! اگر

انسان کے جسم میں بالکل خون نہ ہوتو وہ زندہ نہیں رہ سکتا! اگر یہ خون بے قاعدہ ہو جائے تو بھی وہ روگی اور مریض بن جاتا ہے، اگر ایک جگہ جمع ہو جائے تو پھوڑا بن جاتا ہے۔اور اگر خون کم ہوتو پھر بھی بیمار پڑ جاتا ہے۔انسان کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ خون تمام جسم میں گردش کرتا رہے! جس طرح انسان کے بدن میں قیام و بقا کا ذریعہ ''خون'' ہے۔اسی طرح قوم اور جماعت میں مال و دولت بقا و قیام کا ذریعہ ہے! میں نے چند دن پہلے تمہیں بتایا تھا کہ شیخ چلی کے انفرادی منصوبے مت بناؤ کہ میں پانچ سال بعد یہ کروں گا۔بیس سال بعد فلاں کام کروں گا اور تیس چالیس سال بعد فلاں کام! لیکن قوموں اور حکومتوں کے لئے منصوبے بے حد اہم اور ناگزیر ہوتے ہیں۔کیونکہ منصوبہ بندی کے بغیر ان کی انتظامی مشینری نہیں چل سکتی۔اسی طرح نبی بھی آکر ایک منصوبے کے تحت ملت کی تنظیم کا کام کرتا ہے۔

ایثار و قربانی اور انسانیت پر خرچ کرنے کے سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بے نظیر اور قابل تقلید مثال قائم فرمائی تھی۔جب انہوں نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو اس وقت وہ اتنی مالدار تھیں کہ تمام مکے والوں کے مقابلے میں آدھا مال انہی کا تھا! نکاح کے بعد انہوں نے اپنا سارا کاروبار حضور ﷺ کے حوالے کر کے ان کو معاشی تفکرات سے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خلوص و دیانت سے یہ فرض ادا کیا۔وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے! حضور ﷺ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ زیدؓ ان کے پاس غلامی کی صورت میں آئے تو حضور ﷺ نے اپنے بیٹوں کی طرح ان کی پرورش فرمائی۔اور زید

نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر حضور ﷺ کی غلامی قبول کر لی! اسی طرح حضور ﷺ کے چچا ابو طالب صاحب ایک کثیر العیال مگر نادار انسان تھے۔تو آپ نے ان کے بیٹے حضرت علیؓ کو ان سے لے کر ان کی کفالت فرمائی! ابتداء نبوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام مال اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا اور پھر یہ حالت ہوئی کہ دو دو دن تک جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھا سکے! یہ ہے ایثار و قربانی کی شاندار اور تابناک مثال!!

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک نہایت شریف و معزز انسان اور مکہ کے بہت متمول تاجر تھے۔لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اپنی ساری دولت اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دی۔اس وقت جو غلام مسلمان ہو جاتے۔تو ان کے آقا ان بیچاروں پر ناقابل برداشت انسانیت سوز مظالم ڈھاتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے ایسے کئی نو مسلم غلاموں کو ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا اور اپنی ساری دولت اس کارِ خیر میں صرف کی! حضرت ابوبکرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے ایک بہت عزیز دوست نے ان کو کہا ''اے ابوبکرؓ! تم سارے مکے میں ایک بہت شریف، معزز اور ہر دلعزیز انسان اور نہایت کامیاب تاجر تھے۔لیکن بیٹھے بٹھائے تمہیں کیا سوجھی کہ یہ نیا دین قبول کر کے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا اور غلاموں، ناداروں اور ذلیل لوگوں پر اپنی تمام مال و دولت لٹا رہے ہو!'' اس وقت اس کا سمجھانا بے کار تھا۔اس لئے حضرت صدیقؓ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔کیونکہ وہ نہایت دانائی اور عاقبت اندیشی کا کام کر رہے تھے۔مگر دوست نے کہا کہ تم دیوانوں کا کام کر رہے اور سیدھے راستے سے واضح طور پر بھٹک گئے ہو! (فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کا نکتہ پیش کر رہا ہوں، غور

کیجئے) اس لئے اس وقت حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ امیر المومنین بن گئے۔ شام کی طرف فوجیں بھیجی جا رہی تھیں اور امیر المومنین ان کے ملاحظے میں مصروف تھے۔ ان کا وہ پرانا دوست بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گیا تھا اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے قریب کھڑا تھا۔ تمام عرب قبائل کے فوجی دستے امیر المومنین کو سلامی دیتے ہوئے گزر رہے تھے۔ اس شاندار عسکری مظاہرے کے اختتام پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اس دوست کو کہا کہ آج سے اتنے سال پہلے تم نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ اسلام قبول کر کے تم نے اپنی شہرت وعزت گنوا دی اور اپنا تمام مال غرباء وفقراء پر تقسیم کر کے ذلیل وخوار ہو گئے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں اے فلاں! اس وقت مکے میں میرے پاس دولت تھی اگر وہ سب کی سب بھی خرچ کر ڈالتا تو کیا اس سے میں عالم عرب کی یہ حکومت خرید سکتا تھا؟ دوست نے کہا نہیں! تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ ہے تمہارے اس وقت کے سوال کا جواب!

اب ایک نظر اس وقت کی صورت حال پر ڈالئے۔ جب اس اایت کا نزول ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک نہایت کامیاب اور متمول تاجر تھے۔ قوم میں اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بہت مقبول وممدوح تھے اور ان کی زندگی نہایت راحت و آرام سے بسر ہو رہی تھی۔ مگر دعوت اسلام کی وجہ سے یکا یک گونا گوں پریشانیوں اور مشکلات ومصائب میں گھر گئے تھے۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ مال ودولت اپنے ذاتی عیش وآرام پر صرف کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اس میں تمہارے غریب ونادار بھائیوں کا حق بھی ہے۔ اس کو غریبوں، ناداروں، ضعیفوں اور مظلوموں کی امداد واعانت پر

خرچ کرو اور ان کے ذریعے سفرِ آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کرو۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ط اپنے آخروی مفاد اور ابدی زندگی میں کامیابی کے لئے اپنے آگے کچھ بھیج دو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قارون نہایت مالدار مگر بے حد بخیل اور خسیس انسان تھا۔ اس عہد کے مسلمانوں نے اس کو کہا وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اے قارون! تجھے خدا نے جو مال ودولت دی ہے۔ اس کے ذریعے آخرت کے گھر کے لئے بھی کچھ کوشش کر لے اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھول کیونکہ جو کچھ تو آگے بھیجے گا۔ وہی تیرے کام آئے گا!!

تو یہ اسلام کی تعلیم تھی۔ جس پر حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کاربند تھے۔ کفار و مشرکین کے مسلک و مذہب میں بھی غریبوں، ناداروں اور مظلوموں کی امداد اور دستگیری شامل تھی۔ اس لئے مسلمان انہیں نصیحت وفہمائش کرتے تھے کہ تم بھی خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے مفلسوں اور عاجزوں پر خرچ کرو مگر ایک تو وہ مال ودولت کے ساتھ بے انتہا محبت رکھنے کی وجہ سے اس کو کسی اور پر خرچ کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے اور دوسرے اپنے خُبثِ باطن اور اسلام کے ساتھ عناد رکھنے کی وجہ سے ہر اس نیک کام کی بھی (ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) مخالفت کرتے۔ جس کی اسلام تلقین کرتا! اس لئے جب مسلمان اُن کو کہتے کہ آخرت میں تحفظ کی خاطر غرباء وفقراء پر خرچ کرو تو وہ یوم آخرت کی ہنسی اڑاتے اور کہتے کہ جو کچھ ہے۔ یہی دنیا ہے اس کے بعد کچھ نہیں ہے۔

؎ نوروز ونو بہار و مئے دلربا خوش است   بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبار نیست

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ جب ان کفار ومشرکین کو کہا جاتا ہے کہ خدا نے تمہیں جو مال و دولت دی ہے اس میں سے کچھ مفلسوں اور محتاجوں پر بھی خرچ کرو اور انسانیت کا تقاضہ پورا کرو۔تو قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا وہ کافر مومنوں کو جواب دیتے ہیں کیا کہتے ہیں؟ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ط کیا ہم ان لوگوں پر خرچ کریں۔جنہیں اگر خدا چاہتا تو خرچ دیتا! ان ناداروں اور کنگلوں کو کھلانا تو اللہ کا کام ہے۔ہمیں کیا پڑی ہے کہ ان کو کھلاتے رہیں! مشہور ضرب المثل ہے کہ جس کو خدا بھوکا رکھتا ہے۔اس کو خدا ہی سیر کرا سکتا ہے! خدا اگر ان کی مدد اور حاجت روائی چاہتا تو ان کو مفلس و نادار ہی نہ بناتا! تو جب خدا ہی ان کو مال و دولت نہیں دیتا تو ہم ان کنگلوں اور ناداروں کو کیوں کھلائیں۔کیوں ان کو اپنا مال دے دیں؟ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ تم ہمیں یہ نصیحت جو کر رہے ہو۔کہ مفلسوں اور مظلوموں کی مدد کرو، عاجز اور نادار انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اُن کی حاجت روائی کرو۔تو تم سخت غلطی اور گمراہی میں ہو۔اپنی دولت بے سود ضائع کر رہے ہو! اے مسلمانو! تم گمراہ اور احمق ہو کہ اپنا مال یعنی اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اوروں پر ضائع کر رہے ہو! یہ تو تمہارے آرام اور عزت و آسائش کی چیز تھی۔مگر تم نے اس کو غیروں پر خرچ کر دیا! تم ہر وقت ''آخرت آخرت'' کی رٹ لگائے رہتے ہو، بھئی آخرت کہاں ہے! یہاں تو نقد سودا ہے۔یہاں تو آرام وسکون و مسرت کی واحد چیز پیسہ ہے۔وہ پیسے تم اپنے آپ کو تکلیف دے کر اوروں پر خرچ کرتے ہو۔کیا یہ حماقت اور

گمراہی نہیں؟

دین داروں کے مقابلے میں دنیاداروں کا آپس میں اتفاق نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو وہ بھی بالکل سرسری اور عارضی ہوتا ہے۔اسلام میں اتحاد اور اتفاق ہے۔ وحدت ایک درخت ہے! درخت کا تنا بھی درخت ہے اور اس کی شاخیں اور پتے بھی ۔درخت کے تنے میں وحدت اور تنظیم ہوتی ہے۔ تنے سے اوپر جوں جوں چڑھتے جاؤ شاخیں پھیلتی جاتی ہیں۔انتشار اور بدنظمی پھیلتی جاتی ہے۔قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہو رہا ہے۔فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ط یتیم اور بے اسرا کو غصہ نہ کیجئے بلکہ اس کے سر پر دست شفقت پھیریئے۔سائل کو دھتکاریئے نہیں اور خدا نے تمہیں جو نعمت دی ہے۔اس کا شکر ادا کیجئے! اس آیت کریمہ کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ كَانَ بِشِقِّ تَمْرَةٍ لوگوں! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ چاہے یہ کام آدھی کھجور ہی سے کیوں نہ ہو! یعنی اگر کسی نادار اور بھوکے انسان کو آدھی کھجور بھی دی جائے تو وہ تمہیں دوزخ سے بچالے گی۔

؎ بخیل ار بود زاہد بحر و بر   بہشتی نہ باشد بہ حکم خبر

کنجوس چاہے کتنا ہی زاہد اور عبادت گزار کیوں نہ ہو وہ سخی کی طرح جنتی نہیں ہوسکتا! دین اسلام کی فطرت میں فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔اس کی تلقین یہ ہے کہ خرچ کرو۔ایثار و قربانی کرو۔ساری دولت اپنی ذات کے علاوہ مستحق بندوں پر بھی خرچ کرو۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ   اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ بولتے ہوتو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ہمیں کہتے ہو کہ اپنے آپ کو عذاب سے بچاؤ، نیک اعمال تمہارے کام آئیں گے اور اگر تم اپنی بداعمالیاں ترک نہیں کرو گے تو تم پر خدا کا عذاب آئے گا مگر ہم تو کوئی قیامت نہیں مانتے!

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ   اللہ فرماتا ہے کہ یہ انتظار نہیں کرتے مگر ایک چیخ کی! یہ کہتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ یہاں قیامت سے لوگ عموماً ''قیامت کُبریٰ'' مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ اس میں قیامت صغریٰ، قیامت وسطیٰ اور قیامت کُبریٰ تینوں شامل ہیں۔ ہر انسان کے انفرادی موت کو قیامت صغریٰ، قومی انقلاب کو قیامت وسطیٰ اور تمام دنیا کے تباہ ہو جانے کو قیامت کُبریٰ کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مرجائے تو بھی اچانک ایک چیخ سنائی دیتی ہے کہ لو وہ فلاں بھی چل بسا! کسی کو اپنی موت کی خبر نہیں ہوتی یہ اچانک آجاتی ہے۔ پھر اس نے جو اعمال کئے ہوتو حالت نزع میں وہ سب اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ قوموں کے انقلابات میں بھی سارے نتائج سامنے آجاتے ہیں اور یہی کچھ یوم آخرت میں بھی ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ ایک چیخ ہوگی جو ان کو ایسی حالت میں پکڑلے گی کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہونگے!

ہمارے علماء ان تمام علامات کو یوم آخرت پر چسپاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے وقوع کی لوگوں کو کچھ خبر نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ بازار میں خرید وفروخت کررہے ہونگے۔ بعض لوگ آپس میں بحث وتکرار کررہے ہونگے۔ کچھ لوگ آپس

میں جھگڑے اور دنگا فساد کررہے ہونگے۔ عورتیں گھروں میں روٹیاں پکا رہی ہونگیں کہ اچانک قیامت آجائے گی!! بے شک یہ تفصیل بھی صحیح ہے۔ مگر تم لوگوں نے قیامت وسطیٰ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی ہے۔ اس کو میں دیکھ چکا ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے ایسی کئی قیامتیں دیکھی ہیں! امان اللہ خان کے عہد میں افغانستان میں جو انقلاب آیا تھا۔ ان دنوں میں کابل میں موجود تھا۔ بچہ سقہ نے اس قدر اچانک حملہ کیا کہ لوگ حیرت سے بھونچکے رہ گئے۔ ایک قیامت برپا ہوگئی اور ہر شخص حیران تھا کہ امان اللہ خان سے حکومت یوں اچانک کیونکر چلی گئی!! اور یہاں ہمارے ملک میں جو انقلاب آیا تھا اور مسلمان ہندوؤں پر حملے کررہے تھے۔ یہ کتنا اچانک اور غیر متوقع تھا۔ کسی نے گھروں میں روٹیاں پکالی تھی اور سالن پکانے کی تیاری کررہے تھے۔ کہیں سالن پک چکا تھا۔ مگر روٹیاں ابھی نہیں پکی تھیں۔ کوئی باہر گیا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ جب واپس لوٹا تو گھر کو تباہ و برباد دیکھا! اسی طرح ہندوستان میں یہی حال اور یہی کیفیت مسلمانوں کی تھی۔ مسلمان صبح گھر سے باہر نکل جاتے، واپس آکر انہیں معلوم ہوتا کہ مکان پر ہندوؤں اور سکھوں کا قبضہ ہے۔ بعض گھروں میں عورتوں نے تنور جلائی تھی اور روٹیاں پکانے کے لئے تیار تھیں کہ اچانک گھر پر حملہ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں گھر والوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی! جب کبھی انقلاب آتا ہے۔ بالکل اچانک آجاتا ہے!!

لیکن وہ اصل قیامت جسے قیامت کُبریٰ کہتے ہیں اتنی اچانک نہیں آئے گی! قرآن و آحادیث میں اس کی متعدد علامات بتائی گئی ہیں۔ مثلاً دابۃ الارض کا

ظہور ہوگا، زلزلے آئیں گے، دجال خروج کرے گا، سورج مغرب سے طلوع ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ ساری علامات دیکھ دیکھ کر لوگ سمجھیں گے کہ قیامت اب آنا ہی چاہتی ہے!!

دراصل یہ سارا مضمون اعمال کے نتائج کے سلسلے میں ہے۔ کسی عمل کا نتیجہ تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ عمل کیا جائے! اگر بوئیں گے نہیں تو کاٹیں گے کیا! جو کچھ بویا جائے گا وہی کچھ کاٹا جائے گا۔ ایک کسان کو اگر کوئی نادان معترض کہے کہ ”تو زمین میں بیج بو رہا ہے! تم پاگل ہو کہ اپنا ذخیرہ خالی کر کے کھیت میں پھینک رہے ہو“ تو وہ معترض بالکل اندھا ہے! وہ یہ نہیں دیکھتا کہ آج جو ذخیرہ خالی ہو رہا ہے۔ کل اس کے عرض دس گنا ذخائر جمع ہو جائیں گے۔ یہ بیج جو کھیتوں میں پھینکی جا رہی ہے ضائع نہیں ہوتی بلکہ یہ عمل شاندار نتائج کے لئے ہوتا ہے۔

مسلمان کفار کو تلقین کرتے کہ نیک اعمال اختیار کرو، ایثار و قربانی کرو اپنے لئے زادِ راہ جمع کرو۔ ورنہ عذاب آئے گا! تو جواب میں کفار و مشرکین کہتے تھے۔ کہ وہ عذاب و سزا کا وقت کب آئے گا؟ اُن کو جواب دیا گیا کہ وہ تو ایک چنگھاڑ ہوگی جو ان کو اچانک جا پکڑے گی۔ اُس وقت یہ آپس میں بحث و تکرار اور جھگڑے کر رہے ہونگے۔ مزید ارشاد ہوتا ہے فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ یہ اُس وقت وصیت کرنے کے قابل نہ ہونگے اور کسی سے اپنے دل کی بات کر سکیں اور نہ ہی اپنے گھروں کو واپس جا سکیں گے!

یہ تمام ایسے نکتے ہیں جو ہر قسم کے انقلاب میں پائے جاتے ہیں۔ انسان کو

موت اکثر اچانک آتی ہے! کہتے ہیں حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے دفعتہً مر گیا یا کسی حادثے میں اچانک ہلاک ہو گیا یا دفعتہً بندوق کی گولی کا شکار ہوا! اسی طرح قومی انقلاب میں بھی راتوں رات یوں اچانک حکومت کا تختہ الٹ جاتا ہے کہ سننے والے مبہوت ہو جاتے ہیں وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ تین سائرن بجائے جائیں گے۔ ایک کو کہتے ہیں نَفْخَةُ الْفَزَع گھبراہٹ کا سائرن یا بھونپو، دوسرا نَفْخَةُ الصّعق بے ہوشی کا بھونپو ہوگا جس کی وجہ سے لوگ مر جائیں گے اور تیسرا سائرن یا بھونپو نَفْخَةُ الْقِیَامِ اِلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْن ہوگا۔ جب تمام لوگ رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہو جائیں گے! پہلا سائرن جب بجنا شروع ہوگا تو یوں محسوس ہوگا۔ جیسے فوج میں ایک انتہائی تیز اور خوفناک بگل بجنا شروع ہو جائے! سائرن کے بجتے ہی یک دم ایک ہنگامہ مچ جائے گا۔ لوگ سخت حیران و پریشان ہونگے۔ یا اللہ خیر! یہ کیا ہو رہا ہے! خوف و دہشت سے منہ پر ہوائیاں اڑیں گی گھبراہٹ کے مارے سینوں میں دل دھک دھک کر رہے ہونگے! دوسرا سائرن جب بجنا شروع ہوگا تو وہ اس قدر خوفناک اور جان لیوا ہوگا کہ تمام لوگ سنتے ہی مر جائیں گے۔ سارے پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر دریاؤں اور سمندروں میں گر پڑیں گے اور زمین ہموار ہو جائے گی۔ اس دوسرے سائرن اور تیسرے (یا آخری) سائرن کے درمیان جتنا زمانہ بھی ہوگا۔ پانچ، بیس، سو، ہزار یا ایک لاکھ سال، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے! پھر جتنی بھی مخلوق اس کرہ ارض پر ہو گی۔ قبروں سے نکل کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگی!۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ جب سائرن (بھونپو) بجایا جائے گا تو یہ سب

اپنی اپنی آرام گاہوں سے یک دم اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑ کر جائیں گے۔''ینسلُ'' کمان سے تیر کے تیز نکل جانے کو کہتے ہیں۔آج کل ہم یوں کہیں گے کہ جیسے بندوق کے سر ہونے پر اس سے نہایت تیزی کے ساتھ گولی نکلتی ہے!اسی تیزی کے ساتھ یہ اپنے رب کے پاس دوڑ کر جائیں گے۔پھر یہ ان کے بس میں نہ ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی اور طرف دوڑ کر جائیں!اُس وقت یہ کیا کہیں گے؟

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یہ کہیں گے ہائے افسوس!ہم کو اپنی خواب گاہ سے کس نے اٹھایا!یعنی ہم آرام سے سو رہے تھے۔کس نے ہمیں خوابِ راحت سے جگا دیا؟یہ کیسی قیامت آگئی!

یہاں ایک لفظ''مرقد'' آیا ہے۔جس کے معنی ہیں''خواب گاہ''اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں کافر آرام و راحت سے ہونگے اور قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو یوں محسوس کریں گے گویا اب تک آرام و راحت کی نیند سو رہے تھے۔حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ کافر کے نزع کے وقت ہی سے اُس پر سختیاں آنی شروع ہونگیں۔قبر میں سانپ بچھو اور آگ کی لپیٹیں ہونگی۔قبر کی دیواریں چاروں طرف سے مل کر اور اس کو جکڑ کر اُس کی ہڈیاں اور پسلیاں ریزہ ریزہ کریں گی اور عذاب کے فرشتے اُن کو خوفناک گرزوں سے مارا کریں گے!تو اس کے باوجود یہ کافر اپنی قبروں کو''مرقد'' کیوں کہیں گے؟اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جان کنی کے سختیاں اور قبر کا عذاب خواہ کتنے ہی سخت اور خوفناک کیوں نہ ہوں مگر یہ ساری سختیاں قیامت کی سختیوں کے مقابلے میں ہیچ ہوں گی!محشر کا دن اس قدر ناممکن البیان حد تک خوفناک

دن ہوگا کہ سورج زمین سے صرف ایک نیزے کے برابر کو اُونچا ہوگا۔زمین تانبے کی بن جائے گی اور تمام لوگ اپنے اپنے پسینوں میں ڈوبے ہوئے ہونگے!تو جب وہ یہ بے پناہ سختیاں دیکھیں گے تو انہیں قبر کی سختیاں بہت آسان نظر آئیں گی اور اُن کو اُس وقت یوں محسوس ہوگا۔جیسے وہ قبر اُن کی خوابگاہ تھی!

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (اُن کو کہا جائے گا)مقدّر رہے!ان کو کہا جائے گا کہ یہی وہ وقت ہے جس کا وعدہ تمہارے ساتھ خدائے''رحمان'' نے کیا تھا!تمہیں کہا گیا تھا کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔یہاں نیک عمال کا بیج بوؤ گے تو آخرت میں فصل حاصل کرو گے مگر تم یہ سبق بھول گئے تھے!اب وہ وقت آ گیا!وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ اور رسول سچے تھے۔انہوں نے تمہیں جو اطلاع دی تھی وہ آج صحیح نکلی!!

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا یہ ایک چنگھاڑ ہوگی۔جس کے بعد سب میرے دربار اور میری عدالت میں حاضر ہونگے۔کوئی چھپ کر بچ نہیں سکیگا۔سب میرے حضور پیش ہونگے!

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پھر اُس دن کسی نفس پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم نے جو عمل کیا ہو فقط اسی کا بدلہ دیا جائے گا!اگر کسی نے کوئی نیک عمل کیا ہو تو وہ رائیگاں نہیں جائے گا!یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو گا کہ نیکوکار کو جزا نہ دی جائے اور بدکار اور بداعمال مفت میں چھوٹ جائے!ایسا بھی نہ ہوگا کہ کسی نے کوئی گناہ نہ کیا ہو اور اُس پر کسی اور گناہ گار کا گناہ ڈال دیا

جائے۔ ایک شخص کا عمل دوسرا کوئی لے نہ سکے گا! کسے کے ساتھ کسی قسم کا ظلم اور بے انصافی نہیں کی جائے گی! جس نے جو عمل بھی کیا ہو اس کی جزا یا سزا اُس کو مل کر رہے گی اِرْحَمْ مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكَ مَنْ فِی السَّمَآءِ تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا (اللہ تبارک اتعالیٰ) تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر — خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اگر تم نے دنیا میں خدا کی عبادت کی ہوتی تو آج وہ تم کو انعام واکرام سے نوازتا لیکن تُم نے غیر اللہ کی عبادت میں ساری زندگی گزاری۔ تو خدا سے رحم کی امید کیسے رکھ سکتے ہو؟! مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی اگر کوئی یہاں حقیقت کی طرف سے اندھا رہا اور خدا کی تجلّی دیکھنے سے محروم رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا!

یہ تو بدکاروں اور مجرموں کا حال ہوگا۔ اب ان کے مقابلے میں وہ مومنین ہیں کہ جن کو کافر طعنے دیتے تھے کہ تم سٹھیا گئے ہو کہ اپنا مال خدا کی راہ میں غریبوں اور ناداروں پر خرچ کر رہے ہو، تم گمراہ ہو گئے ہو! دیکھنا یہ ہے کہ جن مومنین نے دنیا میں (راحت و آرام تج کر) سختیاں جھیلی تھیں۔ اُن کا آخرت میں کیا حال ہوگا!!

اُس دن جنت کے اصحاب عیش وعشرت اور گپ شپ میں مشغول ہوں گے اور میوے کھائیں گے! اُن کو ہر طرح کی مسرت اور خوشحالی حاصل ہوگی

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ o هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ وہ اور اُن کی ''زوج''! زوج ہم بیوی کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں خاص عورت مراد نہیں۔ مراد ہیں جوڑے، ہم مشرب! چاہے وہ مرد اور عورت ہوں یا دو یار آشنا ہوں، یا ایک

دوسرے کے لئے پرایے ہوں مگر ہم مشرب ہوں! اس لئے ہم ''زوج'' کے مفہوم کے لئے جامع لفظ ''ہم مشرب'' استعمال کر رہے ہیں!!

یہ مومن اور اُن کے ہم مشرب تختوں یا آرام کرسیوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے!۔ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ اُن کے لئے وہاں قسم قسم کے میوے ہونگے اور جس کسی چیز کے لئے اُن کی خواہش پیدا ہوگی وہ انہیں ملے گی! اب ذہن میں یہ نقشہ لے آئیں کہ بہترین عمدہ باغ ہے۔ جس میں سبزہ زار اور درخت ہیں، ٹھنڈک ہے۔ بہ افراط پانی ہے ہر قسم کے میوے موجود ہیں۔ میزیں لگی ہوئی ہیں۔ آرام کرسیوں پر لوگ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ یار آشنا موجود ہیں! اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ o دُنیا میں تو یہ ایک دوسرے کے دوست تھے نا! مگر اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ مگر متقین ایک دوسرے کے دوست ہونگے! اور پھر سب سے بڑی نعمت جو اُن کو حاصل ہوگی وہ یہ ہوگی:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ خدا کی طرف سے اُن کو آواز آئے گی کہ آج سے تم ربِّ رحیم کی طرف سے سلامتی میں ہو! دیکھو کتنی عظیم نعمت ہے یہ! جب اللہ کی طرف سے سلامتی ہو تو عذاب کا سوال اور جنت کا زوال خارج از بحث ہے اور دنیا میں اگر کسی کو حکومت بھی مل جائے۔ تو یہ سب غیر مستقل اور آنی جانی چیزیں ہیں آج تمہارے پاس ہیں کل کسی اور کے پاس ہونگیں! مگر اس نعمتِ عظمیٰ کا تصوّر کیجئے جب خدا تمہیں کہے سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ تم پر سلامتی ہے۔ فرشتے بھی ہر طرف سے داخل ہو کر تمہیں سلام کہیں! مومن آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے! دُنیا کی تمام

مصائب وشدائد، بھوک پیاس، غربت، تنگدستی اور بیماریاں اس نعمت عظمیٰ کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔اب مخالفین کی باری آتی ہے۔انہیں کہا جائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ مجرموں کو کہا جائے گا کہ اس گروہ سے تم الگ ہو کر کھڑے ہو جاؤ! اے مجرمو! جماعت مومنین سے الگ ہو جاؤ!

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ (عہد کہتے ہیں تاکیدی بات کو) اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں پیغمبروں کے ذریعے تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی اطاعت مت کرو" عبادت تو ہم صرف سر جھکانے اور رکوع وسجود ہی کو کہتے ہیں۔لیکن شیطان کو کس نے دیکھا ہے کہ اسے سجدہ کریں! اس لئے عبادت" یہاں بہ معنی اطاعت ہے۔شیطان کی اطاعت دنیا میں بھی ہوتی ہے۔اُس نے ازل ہی میں للکار کر کہا تھا کہ اس آدم کی وجہ سے تو نے مجھے راندۂ درگاہ کیا۔میں اس کی اولاد کو دنیا میں بہکاؤں گا تا کہ وہ میری اطاعت کریں! تم شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے لگے اور دنیا کے عارضی، چند روزہ راحت وآرام کے لئے شیطان کی اطاعت اختیار کی۔ حالانکہ مومنوں نے محض اللہ کی رضا اور اطاعت کی خاطر عیش وآرام اور فوائد ولذائذ دنیا پر لات ماردی تھی۔اسی لئے تو بزرگوں نے کہا تھا کہ ایں ہم بگزرو! بھئی دنیا کی سختیوں اور تکلیفوں کے یہ چند دن بالآخر گزر جائینگے۔اور اب اُن کے لئے دائمی راحت وآرام ہے۔مگر تم نے مستقبل کا خیال نہ رکھا اور جزائے اعمال کی کچھ پرواہ نہ کی! حالانکہ رسولوں اور پیغمبروں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ شیطان کی اطاعت مت کرو۔کیونکہ یہ تمہارا ازلی اور ابدی دشمن ہے!

یہ مضمون اس سے پہلے کئی موقعوں پر بیان کر چکا ہوں کہ جس نے کسی کی اطاعت کی تو گویا اُس نے اس کی عبادت کی! وقت کی کمی کی وجہ سے اس نقطے پر مزید بحث نہیں کرتا!

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ یہ شیطان تمہارا صاف واضح اور کھلم کھلا دشمن ہے۔اُس نے اولادِ آدم کو بہکانے کے سلسلے میں خدا کے سامنے جو چیلنج کیا تھا سی پر عملدرآمد کر کے تمہاری عاقبت خراب کرتا رہا! کیا میں نے تمہیں بار بار نہیں کہا ہے کہ وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ میری اطاعت اور بندگی اختیار کرو۔یہی وہ صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے نبی بھی تو اسی صراط مستقیم کی لوگوں کو دعوت دینے کے لئے آئے تھے!

سورۂ مبارکہ یٰسٓ کی ابتدا ہی میں ارشاد ہے وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یہی قرآن عظیم الشان اس حقیقت کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور خدا کی جانب سے سیدھے راستے پر ہیں! یہی اللہ کی اطاعت کی وہ صراط مستقیم ہے جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے اور جس کی تعلیم وتبلیغ تمام انبیاء ورسول کرتے آئے ہیں

مجرمین ومنکرین سے خطاب کا آغاز ہوا ہے۔جس طرح مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔اسی طرح مجرموں کو اپنے انکا اور برے اعمال کی کڑی اور قابل عبرت سزائیں دی جائیں گی۔جس کی تفصیل انشاءاللہ کل کے درس قرآن میں واضح طور پر بیان کی جائے گی!!

درس نمبر ٦

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْ تَعْقِلُوْنَ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴿٦٤﴾
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْ
يَكْسِبُوْنَ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُو الصِّرَاطَ
فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ﴿٦٦﴾وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَااسْتَطَاعُوْا
مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا
يَعْقِلُوْنَ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ
مُّبِيْنٌ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِ رَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴿٧٠﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا
مٰلِكُوْنَ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ﴿٧٢﴾وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴿٧٣﴾

ترجمہ

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنكُمْ

(قیامت کے دن کے منکرین مخاطب ہیں) اور گمراہ کئے ہیں تم میں سے اس شیطان نے

جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْ تَعْقِلُوْنَ

بہت لوگ (جِبِلًّا ایک ٹکڑے کا حصہ) تو کیوں تم نے عقل سے کام نہیں لیا کہ شیطان

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِمَا

کے کہنے پر چلے؟ تو اب نتیجہ؟ یہ جو تم دیکھ رہے ہو یہی وہ جہنم ہے جس کی بابت تمہارے

تُوْعَدُوْنَ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ

ساتھ دنیا میں (پیغمبروں کے ذریعے) وعدہ کیا جاتا تھا۔ داخل ہو جاؤ آج کے دن اس

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْن اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى

جہنم میں کیونکہ تم نے اس حقیقت سے انکار کیا تھا آج ان کے مونہہ پر مہر لگا دونگا

اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ

اور رواں کر دونگا ان کے ہاتھ جو باتیں شروع کر دیں گے اور گواہی کریں گے

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْ يَكْسِبُوْنَ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا

اس پر ان کے پاؤں، ان پر کہ انہوں نے جو عمل کیا تھا اور اگر میں چاہوں تو مٹا دوں گا

عَلٰى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُو الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ

اُن کی آنکھیں پھر یہ راستہ پانے کے لئے دوڑیں گے مگر کیسے دیکھ سکیں گے!

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَکَانَتِهِمْ فَمَا

اوراگرمیں چاہوں تومیں ان کوزمین میں دھنسادوں گا جابجا پھر نہیں ہوگی

اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ

ان کی طاقت رفتار کی اور نہ یہ واپس ہوسکیں گے۔ اور وہ جس کو میں زیادہ عمر دیتا

نُنَکِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ط

ہوں (بوڑھا کر دیتا ہوں) میں واپس کردیتا ہوں اس کو پیدائش میں اس پہلی بچپن والی

اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ وَمَا عَلَّمْنٰهُ

عمر کو۔ کیا یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ مالک واحد اور قادر کون ہے)؟ اور ہم نے نہیں

الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ

سکھایا اپنے پیغمبر کو شعر اور نہ مناسب ہے اُن کے ساتھ شعر نہیں ہے یہ مگر ایک نصیحت

وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا

اور واضح قرآن (اللہ کے احکام ہیں) اور اسلئے ہے کہ ڈرایا جائے بداعمالی کے انجام سے ان

وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ

لوگوں کو جو زندہ ہوں (جن کے ضمیر زندہ ہوں) اور ثابت ہو جائے بات عذاب کی کافروں پر

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے (توحید میری) کہ میں نے پیدا کئے ہیں ان کے لئے اپنے ہاتھوں کی بنائی

اَیْدِیْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِکُوْنَ

ہوئی چیزوں سے مویشی اور پھر یہ ان کے مالک ہوئے ہیں (میں نے انہیں ان کے تصرف میں دیا ہے)

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَکُوْبُهُمْ

اور میں نے ان جانوروں کو ان کے تابع کیا ہے تو ان میں سے کسی پر یہ سواری کرتے ہیں

وَمِنْهَا یَاْکُلُوْنَ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ

اور کسی کا گوشت کھاتے اور دودھ پیتے ہیں اور ان کے لئے ان مین بہت منافع ہیں

مَشَارِبُ ط اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ

اور پانی کے گھاٹ! اور پینا ہے! تو کیا یہ شکریہ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا؟

تشریح و تفسیر

کل کے درس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر کفار و مشرکین کے دو اعتراضات کا ذکر تھا۔ ایک تو انسانیت کا ایک اہم مسئلہ تھا۔ یعنی غریبوں اور ناداروں کی مالی امداد اور محتاجوں اور مستحقین کی حاجت روائی! انہوں نے اعتراض کیا کہ آپ ہمیں ہدایت کرتے ہیں کہ مفلسوں اور ناداروں کی اپنی دولت سے مدد کرو۔ تو یہ ہم سے اپنا رزق کیوں مانگتے ہیں۔ خدا سے کیوں نہیں مانگتے؟ خدا ان کو کیوں نہیں دیتا؟ ان کا یہ اعتراض اتنا احمقانہ اور بے ہودہ تھا کہ ان کا اعتراض نقل کرنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔ جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ ان کفار و مشرکین کا یہ جواب انسانیت کے اعلیٰ اقدار کے بالکل منافی ہے۔ آج دنیا کے تمام مذاہب میں غریبوں کی پرورش اور ناداروں اور محتاجوں کی مالی امداد کی تلقین و تاکید موجود ہے۔ یہاں تک کہ روس اور

چین کے کمیونسٹ جو دہریے اور لامذہب ہیں اور خدا اور دین سے منکر، لیکن وہ بھی انسانیت کی خدمت کے حامی ہیں۔ بلکہ کمیونزم کا تو نصب العین ہی سرمایہ داروں کی مخالفت اور مظلوموں، ناداروں اور کچلے ہوئے انسانوں کی مدد اور دستگیری ہے! مگر یہ مشرکین اتنے کاٹھ کے اُلّو تھے کہ انہوں نے اتنے اعلیٰ اخلاقی اصول کا بھی مذاق اڑایا اور طنزاً کہا کہ ناداروں کی مالی امداد واعانت ضروری ہوتی تو خدا خود ان کی مدد کرتا! اس کا جواب خدا نے نہیں دیا۔ کیونکہ ایسے پوچ اور لچر اعتراض پر کچھ تبصرہ کرنا ہی بے کار ہے۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تم ہمیں ڈرا رہے ہو کہ بداعمالی کے انجام کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے۔ تو وہ وقت کب آئے گا؟ (وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ) تو یہ البتہ ایک اہم سوال تھا جسے قرآن نے لیا اور اس پر بحث کی۔ اس کا کچھ حصہ کل کے درس میں بیان ہوا۔ اور آخرت کے مضمون کے باقی حصے پر آج کے درس میں بحث کی جارہی ہے!!

کل کے درس میں کہا گیا تھا کہ منکرین و مجرمین سے کہا جائے گا کہ نیک لوگ الگ کھڑے ہو جائیں اور مجرم الگ! نیک لوگ جنت میں ہونگے اور بداعمال دوزخ میں۔ اس کے بعد اللہ کہے گا اے انسان! اے آدم کی اولاد! تم کو میں نے عقل دی تھی، تمہارے پاس پیغمبر بھیجے تھے۔ کتابیں بھیجی تھیں۔ مگر تم نے نہ اپنی عقل کا کہا مانا اور نہ خدا کے نائب کی تبلیغ پر کان دھرا اور نہ خدا کے پیغام کی تعمیل کی۔ ان سب کی جگہ تو نے شیطان کی بات مان لی! تمہیں میں نے تاکیداً کہا تھا کہ شیطان کی اطاعت مت

کرو۔ وہ تو تمہارا کھلم کھلا ازلی دشمن ہے اور فقط میری اطاعت کرو جو کامیابی کا واحد سیدھا راستہ ہے۔ مگر تم نے میری بات نہ مانی۔ جس کا خمیازہ آج بھگت رہے ہو۔

شیطان نے ازل میں اللہ تعالیٰ کو چیلنج کیا تھا کہ تو نے مجھے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار پر راندۂ درگاہ کیا۔ اب میں ساری عمر اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا! وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ میں ان کو اس حد تک گمراہ کروں گا کہ تو ان میں سے شاذ و نادر ہی کسی کو شکر گزار پائے گا! اور شیطان اپنی اس ڈینگ اور لاف زنی میں بہت حد تک کامیاب ہو گیا!!

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اس شیطان نے تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت کو گمراہ کر دیا۔ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ اگر یہ نہ پیغمبر کو مانتے تھے نہ کتاب کو، تو عقل بھی تو ان کے پاس تھی نا! اس سے کیوں کام نہیں لیا؟ دیکھئے یہاں یہ نہیں کہا کہ تم نے پیغمبر کی بات کیوں نہ مانی، خدا کی کتاب پر کیوں عمل نہ کیا! کیونکہ پیغمبر اور کتاب کو تو وہ تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ لیکن عقل ہر انسان کو دی گئی ہے وہ اس کے ذریعے بھی نیک و بد کی تمیز کر سکتا ہے۔ وہ کم سے کم عقل کی مدد سے یہ سوچے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے؟ کیا انسان محض پیسے کمانے اور عیش کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ کا یہی تقاضہ ہے کہ انسان عقل سے کام لے کر فکر کرے کہ آخر وہ ایک وجود ہے کیا اس نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟ اس کے ماں باپ نے یا کسی اور انسان نے پیدا کیا ہے؟ ان سارے سوالوں کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا! تو آخر انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یقیناً اُس کا کوئی خالق ہے۔ دُنیا بھر

کے مختلف ممالک اور مختلف مذاہب کے انسان اُس خالق کا جو بھی نام رکھ لیں مگر وہ ہے ایک ہی ذاتِ پاک جو قادر وعلیم ورزّاق ہے اور اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے!!

دوسرا سوال یہ ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے کسی مقصد کے لئے کرتا ہے۔ مکان بناتا ہے رہائش کے لئے، کھیت تیار کرتا ہے فصل اگانے کے لئے اور دکان کرتا ہے آمدن کے لئے! اس دنیا میں کوئی کام، کوئی نقل وحرکت بے مقصد نہیں ہوتی! تو آخر انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس اہم سوال پر کوئی سوچنے کی تکلیف نہیں کرتا! اِنسان کی عقل اس جگہ کام نہیں کرتی! تو پھر کہ کیا کرے گا؟! یہ اپنے خالق سے پوچھے گا کہ اے میرے خالق! تو نے مجھے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے؟ اسی مقصد حیات کی تعلیم کے لئے پیغمبر اور انبیاء و رُسل آئے ہیں اور اپنے ہمراہ کتابیں لائے ہیں۔ اس سوال کا جواب صرف اُنہی کے پاس ہے!

قرآن میں انسان کی تخلیق کے سلسلے میں ارشاد ہوا کہ اهْبِطُوْا مِنْهَا بظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں سے اتر کر دُنیا کو چلے جاؤ۔ مگر بہ باطن اصل معنی یہ ہے کہ اے رُوحِ انسانی! جب تُو اس جسم میں داخل ہو جائے تو کیسی زندگی گذارو گے؟ کس قانون پر چلو گے؟ تو جواباً فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى جنت میں تو تم ایک دانہ کھانے سے بھی (منع کرنے کے باوجود) رُک نہ سکے۔ اب جب تم دنیا میں زندگی گذارو گے تو کس مقصد کے لئے؟؟! تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ یہ دنیا ایک غیر آباد سنسان بیابان ہے۔ صرف ایک انسان کو یہاں رہنے کے لئے بھیجا

جاتا ہے وہ اُس دشت و بیابان کو دیکھ دیکھ کر حیران و پریشان سوچتا ہے کہ خدایا! میں یہاں کیا کروں گا؟ کیا کھاؤں گا پیوں گا؟ کیسے زندگی گزاروں گا؟ تو اُس کو تسلی دی جاتی ہے کہ پریشان مت ہو، میری طرف سے تمہیں ہدایت نامہ آئے گا! عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ جس نے پیغمبر اور اس کتابِ ہدایت کی پیروی کی تو اُس کے لئے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ کوئی حُزن وغم! قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے لَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ونا کام رہے گا! تو یہ ہے وہ مقام جہاں عقل بھی انسان کی رہبری کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اُسی سے پُوچھ لو! جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب میں نے انسان کو پیدا کیا تو اُس کی ہدایت اور رھنمائی میرے ذمے ہے! میں نے اُس کو اتنی بے جا آزادی نہیں دی ہے کہ یہ اپنے لئے خود آئین اور دستورِ حیات بنائے! اُس نے اپنی تخلیق کا مقصد نہیں پہچانا! نہ اس نے اپنے ہادی کو پہچانا اور نہ اپنی صراطِ مستقیم کو! اس کی زندگی کا نصب العین خدا کی معرفت اور اُس کی اطاعت ہے جس کا ایک اہم جُز یہ ہے کہ غریبوں، ناداروں محتاجوں اور مظلوموں کی امداد واعانت کرنی چاہیئے! ایک شخص بھوکا اور پیاسا ہے، کمزور محتاج اور ہر قسم کی امداد کا مستحق ہے۔ تو اُس کا رزق خدا نے تیرے ہاتھ میں دیا ہے! اِن خطوط پر میں زیادہ دور تک بحث نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک اشارہ عاقل کے لئے کافی ہوگا کہ یہ دُنیا عالمِ اسباب ہے اگر تم انفاق فی سبیل اللہ سے انکار کر کے ایک نادار اور مستحق شخص کے لئے سبب نہیں بنتے تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟ س کا واضح مطلب یہ ہے کہ تم اپنے وجود سے انکار کرتے ہو!

انسان کسی سے یہ نہیں پوچھتا کہ اُس کی تخلیق کا نصب العین کیا ہے! اور اس دنیا میں وہ جو نقل وحرکت کرتا ہے جو عمل کرتا ہے اُس کا کوئی نتیجہ اور ردِّعمل بھی ہوگا یا نہیں! تو جس انسان نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ اپنے ہادی کو اور اُس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کو پہچانا اور نہ اللہ کی بندگی اور اطاعت اختیار کی تو اُس کا انجام کیا ہوگا؟ **هٰـذِهٖ جَهَـنَّمُ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** یہ ہے وہ جہنم جس کا دنیا میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا رہا! پیغمبروں نے تمہیں بار بار خبردار کیا کہ اگر تم نے نافرمانی کی تو تمہارا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ اس لئے اُس برے دن سے اپنے اپ کو بچانے کا انتظام کرلو! گرتم نے اُن کی بات مان لی ہوتی تو یہ بُرا دِن دیکھنا نصیب نہ ہوتا! اب پشیماں ہونے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا! **اِصْلَـوْهَـا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** آج اس جہنم میں داخل ہوجاؤ کیونکہ تم نے دنیا میں اس کی موجودگی، اس سے بچنے کے طریقوں اور اللہ کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کیا تھا!!

تو پھر یہ حضرت وہاں حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے صاف مکر جائے گا! اُس نے قتل کیا ہے۔ چوری اور بددیانتی کی ہے اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے! اور اس نے ایک باران جرائم کا اقرار بھی کیا ہے۔ مگر دوسری جگہ اپنی بات سے پھر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو کوئی کفر یا نافرمانی نہیں کی! کسی قسم کا جرم نہیں کیا! سفید جھوٹ بولے گا کہ میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔ میرے ساتھ ناحق زیادتی ہورہی ہے! خدا کہے گا کہ چلو میں تمہارے جھوٹ اور سچ کو پرکھتا ہوں! دنیا میں تو کراماً کاتبین جو ان کے تمام اعمال کو محفوظ رکھتے ہیں پیغمبروں کی گواہی اس کے علاوہ ہے! مگر یہ تو

باہر کی بات ہے! تھوڑی دیر کے لئے اس کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ میں تمہارے خلاف ایسے گواہ پیش کرتا ہوں۔ جن سے تم انکار کرنے کی جرأت کرہی نہیں سکتے! **اَلْيَـوْمَ نَـخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ** اس وقت تک اس کی زبان چل رہی تھی، بول سکتا تھا اور نہایت ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے جرائم سے انکار کرسکتا تھا۔ مگر اب میں اس کی زبان بند کردونگا اس کے منہ پر مہر لگادوں گا۔

وَتُـكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِم ہاتھوں کو کہا جائے گا کہ ہاں بھئی تم بیان کرو کہ تمہارے ذریعے کیا کیا ہوتا رہا! زبان تو گنگ ہوگی۔ چنانچہ ہاتھ کہیں گے کہ مجھ سے فلاں فلاں مقام پر اس نے چوری کرائی تھی۔ فلاں مظلوم کو مارا پیٹا تھا۔ مجھ سے ملاوٹ کرائی گئی تھی اور فلاں فلاں سے رشوت لی گئی تھی! گنہگار دم بخود کھڑا سن رہا ہوگا کیونکہ اس کے خلاف اس کے اپنے عضوِ بدن کی گواہی ہوگی! **وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ** پیروں کو کہا جائے گا، اب تم سناؤ سب حال! وہ کہیں گے ''حضور! ہمارے ذریعے یہ شخص چوری کرنے گیا تھا۔ شراب پینے کے لئے ہمیں استعمال کیا تھا، جوئے کے لئے ہمیں لے گیا تھا اور ہمارے ذریعے فلاں مظلوم کے پیچھے جا کر اُسے مارا پیٹا وغیرہ وغیرہ! **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** دنیا میں اس نے جو جو عمل اور کسب کئے ہوں گے یہ ان سب کی گواہی دیں گے! قرآن میں ایک اور مقام پر آیا ہے کہ بدن کا چمڑا گواہی دے گا۔ آنکھیں بھی گواہی دیں گی اور کان بھی! اب انکار کی کوئی صورت نہیں ہوگی اسے چاروناچار اقرار کرنا پڑے گا!

اب یہاں ایک اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ باتیں تو صرف زبان کرتی ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہاتھ پاؤں اور چمڑی باتیں کرنے لگیں! یہ بالکل ناممکن ہے!

تو اب یہ بحث ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ کہتا ہے تمہیں بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میرے لئے یہ کونسا مشکل کام ہے! زبان بھی ایک پارۂ گوشت ہے۔ ہاتھ بھی گوشت کا ہے اور پاؤں بھی گوشت کے بنے ہیں۔ اور چمڑی بھی گوشت سے الگ کوئی چیز نہیں (یہ سوال مقدر ہے۔ جواب آگے آرہا ہے اور خیال رہے کہ بحث توحید کی آرہی ہے) اگر میں کسی عضوِ بدن کو گویا کرنا چاہوں تو میرے لئے کوئی مشکل نہیں... **وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِهِمْ** اگر میں چاہوں تو ان کی یہ آنکھیں مٹا دوں گا! اب جو یہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں تو یہ قوت کس کی دی ہوئی ہے؟ میری ہی دی ہوئی ہے! زبان کو بھی بولنے کی قوت میں نے دی ہے اگر اس کو میں بند کردوں تو ہاتھوں کو گویا کردوں گا! اسی طرح اگر میں دنیا میں چاہوں تو اُن کی آنکھوں سے نظر چھین لوں گا!! **فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ** پھر یہ راستے کو تلاش کرنے کی کوشش میں دوڑتے پھریں گے مگر کیسے دیکھ سکیں گے! یعنی اگر میں اُن کی آنکھوں کو بینائی سے محروم کردوں۔ تو پھر یہ لاکھ کوشش کریں، نہیں دیکھ سکیں گے! پیدائشی اندھے کی آنکھیں ہوتی ہیں مگر اُن سے دیکھ نہیں سکتا! اسی طرح ایک چنگا بھلا آدمی یکا یک اندھا ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا اُس کی آنکھیں صحیح وسالم نظر آتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ بصارت کی قوت سے محروم ہوتی ہیں! سوال یہ ہے کہ یہ قوت کس نے چھین لی؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان کا کام تو نہیں ہوسکتا اس لئے خدائے قادر ہی کا کام ہے۔ تو اگر اُس نے ہاتھ، پاؤں اور چمڑی کو گویا کردیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ اگر میں چاہوں تو ان کو اپنی اپنی جگہ پر گاڑ دوں! پیروں کو خدا نے یہ قوت دی ہے کہ اُن کے ذریعے انسان چل پھر سکتا ہے۔ تو اگر اللہ پیروں کو قوتِ گویائی دے سکتا ہے تو کیا اُن کی چلنے پھرنے کی قوت سلب نہیں کر سکتا؟ **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ** تو یہ نہ آگے جاسکیں گے اور نہ واپس آسکیں گے!! میں حاکم حقیقی ہوں، ذات قادر ہوں! یہ میری قدرت ہے!! دیکھئے توحید کا مضمون کس حسن وخوبی سے بیان ہورہا ہے! اگر انسان اپنے ہی جسم کے مشاہدہ وتدبر میں کچھ وقت صرف کرے تو وہ خدائے واحد کی قدرت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہیگا۔ تمہیں میں نے اختیار دیا ہے اپنے وجود میں دیکھو!

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ط اور جس آدمی کی عمر میں زیادہ کردیتا ہوں! غور کیجئے انسان پہلے بچہ ہوتا ہے۔ باتیں نہیں کرسکتا۔ چل پھر نہیں سکتا! آہستہ آہستہ باتیں سیکھنے لگتا ہے۔ پھر خوراک کھانے لگتا ہے، چلنے لگتا ہے! اور اس کے بعد بڑا ہو کر جوان بن جاتا ہے اور پھر جب میں اس کو بوڑھا کردیتا ہوں تو **نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ** اس کی ساخت کو ہم اُلٹ دیتے ہیں۔ یعنی وہ پھر بچپن کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ لوگ کہنے لگتے ہیں بھئی یہ ہے تو بڈھا کھوسٹ ہی باتیں بچوں کی طرح کرنے لگا ہے۔ بڑھاپے میں اُس کی عقل بھی میں سلب کرلیتا ہوں۔ پیروں کی طاقت بھی چھین لیتا ہوں۔ زبان کی گویائی بھی لے لیتا ہوں۔ کان بھی بہرے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں کی نظر بھی چلی جاتی ہے!! یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ اگر بالفرض میں نہیں ہوں تو اور کون ہے؟ یہ سب حاکم وقادر اللہ کا کام ہے۔ اس نے انسان کو ذرا سا اختیار دے

دیا تو اس نے اس کا غلط استعمال کیا! اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ جب خدا ان پر فطرتاً اور طبعاً حاوی اور مسلط ہے تو لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو معمولی سا اختیار دے کر کہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرو تو یہ انہیں خدا کی منشا کے مطابق استعمال کرنے کی بجائے شیطان کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے لگیں گے۔ خدا کہتا ہے کہ یہ ساری قوتیں میری دی ہوئی نعمتیں تھیں! طاقت وقوت خواہ ہاتھوں کی تھی یا پیروں کی یا کانوں کی، تمہاری جوانی کی تھی یا تمہاری عقل کی، بہر حال میری دی ہوئی امانت تھی۔ تو تم نے یہ امانت میری منشا کے مطابق کیوں استعمال نہیں کی؟! صاف ظاہر ہے کہ تم نے عقل سے کام نہیں لیا۔

اس کے بعد پھر مخالفین نے اعتراض کیا کہ قرآن کا یہ دلکش اور موثر انداز بیان محض شاعری ہے! شاعرانہ مضامین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محمد ﷺ نبی نہیں ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک شاعر ہیں۔ (دیکھئے وہی رسالت کا مضمون ہے!) تو جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ میں نے تو اپنے نبی کریم کو شعر نہیں سکھایا ہے۔ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ ط اور نہ شعر کہنا نبی کے شایانِ شان ہے۔ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ وَاَنَّهُمۡ فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّهِیۡمُوۡنَ..... الخ شعراء تو عموماً گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ عموماً ٹیڑھے ترچھے راستوں اور کھڈوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔۔۔۔ نبی شعر کی زبان نہیں بولتا! نبی جو کچھ کہتا ہے وہ ٹھوس حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ حقائق و معارف سے مملو کلام پیش کرتا ہے۔ اس لئے نہ اس کا پیش کردہ کلام شعر ہوتا ہے اور نہ یہ نبی کی شان ہے کہ وہ شعر کہے! تو پھر یہ کلام کیا ہے؟ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ

نبی نے جو کچھ پیش کر دیا ہے وہ اور کچھ نہیں صرف خیر خواہی اور نصیحت ہے! تمہاری کامیابی اور برتری کی باتیں ہیں اور تمہاری فطرت کی یاد دہانی ہے! وَ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ یہ ایک واضح قرآن ہے۔ صاف اور واضح طور پر خدا کا کلام معلوم ہوتا ہے! قرآن کو ''مبین''، اس لئے کہا کہ اگر یہ کوئی انسانی کلام ہوتا تو تم اس کے اندازِ بیان کا مقابلہ کر سکتے اور اس جیسا کلام پیش کر سکتے!! قرآن نے تمام دنیا کو چیلنج کیا تھا کہ اگر یہ کلام (تمہارے کہنے کے مطابق) شعر ہے تو تم اس کی طرح کوئی شعر لکھ کر لے آؤ قرآن کی سب سے چھوٹی سورت ''الکوثر'' (اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ) جب لکھ کر کعبہ کی دیوار پر چسپاں کی گئی تو کیا کوئی اس چیلنج سے عہدہ برآ ہو سکا؟ عربوں میں شعروشاعری کا بہت چرچا تھا اور فصاحت اور قوتِ لسانی میں وہ دنیا بھر میں ممتاز تھے!! اطراف و جوانب سے بڑے بڑے قادر الکلام شعراء حج کے لئے جاتے تو اپنا اپنا شعر کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیتے اور اس کی ٹکر کے اشعار بنانے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے! تو ایسے ہی ایک موقع پر سورۃ الکوثر لکھ کر دیوارِ حرم پر چیلنج والے الفاظ کے ساتھ لٹکائی گئی کہ اگر یہ شعر ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی شعر لکھ کر لے آؤ! میں نے تو کسی سے ایک حرف تک نہیں سیکھا ہے نہ کبھی شعر گوئی کا خیال آیا ہے۔ بہرحال اگر یہ میرا اپنا کلام ہے تو تم بھی اس کے مثل کوئی کلام پیش کر دو۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے شاعر آتے گئے اور اس پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ آخر عاجز آ کر ایک شاعر نے اس سورۂ مبارک کے نیچے یہ الفاظ لکھے۔ مَا هٰذَا کَلَامُ الۡبَشَرِ یہ بشر کا کلام نہیں ہے! یعنی ان مخالفین نے اس کے مقابلے سے عاجز آ کر خود یہ اعتراف کر لیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ بے مثل

واضح قرآن ہے!

اس کے علاوہ یہ نبی ﷺ تمہارے ہی درمیان رہ کر بچپن سے جوانی تک پہنچا ہے۔اس نے ہر جگہ ہر صحبت میں تمہارے ساتھ جو باتیں کی ہیں وہ بھی تم نے سُنی ہیں اور جو باتیں ان کو وحی ہوتی ہیں وہ بھی سن چکے ہو۔ نبی کی عام باتوں کی زبان بھی عربی ہے اور وحی کی گئی باتوں کی زبان بھی عربی! کیا یہ دونوں ایک جیسی ہیں؟ یقیناً نہیں! دونوں میں بہت بڑا فرق ہے! قرآن کی عربی نبی ﷺ کی اپنی عربی سے واضح طور پر ممتاز ہے! (ساری بحث میں نے ''مبین'' کے نکتے پر کی!) یہ قرآن تو واضح چیز ہے! یہ انسان کا کلام نہیں، اللہ کا کلام ہے! ورنہ اس جیسی ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ اور اگر نہیں کر سکتے تو پھر یہ شعر کیوں ہوا!!

لِّيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور اللہ کا یہ کلام ایک خاص غرض کے لئے آیا ہے۔ وہ خاص غرض اور مقصد کیا ہے؟ لِّيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا انسان کو اپنا مستقبل معلوم نہیں تھا۔ اپنے عمل کے نتیجے سے غافل تھا۔ جوش اور جذبات کے ترنگ میں ہر برا عمل اس کو اچھا اور مفید معلوم ہوتا تھا اس لئے اس کے جذبات کی پکار یہی تھی کہ ''میں پیسے کماؤں گا خواہ ناجائز ذرائع سے ہوں! میں انتقام لوں گا! شراب پیونگا! عیش کروں گا! اس کو ان بداعمالیوں کا نتیجہ اور انجام معلوم نہیں تھا ۔لیکن پیغمبر کو معلوم تھا کیونکہ اس کو خدا نے بتا دیا تھا! لِيُنذِرَ تا کہ پیغمبر اس قرآن کے ذریعے بداعمالی کے انجام سے اُس کو ڈرائے مَنْ كَانَ حَيًّا جو زندہ ہو۔ جس میں سننے اور قبول کرنے کا مادہ بھی ہو اور صلاحیت بھی! اور جو مُردہ ہو تو اُس کے لئے بے سُود

ہے! وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں اور منکرین حق پر عذاب کا حکم ثابت ہو جائے!

جب تک نبیؐ مبعوث نہیں ہوا تھا اور خدا کی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی تو یہ لوگ بار بار کہتے کہ خدایا! کاش تو ہمیں ایک پیغمبر کو کتاب دے کر ہمارے پاس بھیجتا۔اور اس کے باوجود جب انہوں نے انکار کیا تو اب تمام حجت ہو چکی ہے ان کے پاس کوئی بہانہ، کوئی عذر نہیں اب ہر عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ اتمام حُجت کے ذریعے ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا۔ پھر اللہ اپنی توحید اور حاکمیت دکھاتا ہے!

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ میں نے ان کے لئے مویشی پیدا کئے ہیں مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا کا معنی ہے۔''کہ عمل کیا ہے میرے ہاتھوں نے'' مطلب یہ ہے اللہ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ میں نے اپنی قدرت سے ان کے لئے اُونٹ، گائے اور بھینس، بکری وغیرہ پیدا کئے ہیں فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ اور ان مویشیوں پر میں نے انہیں دسترس دی ہے اور وہ ان کے تصّرف میں ہیں! اگر یہ مویشی باغی ہو جائیں اور میں انہیں ان کے قابو میں نہ دوں۔تو یہ انسان کیا کر سکیں گے۔مگر ان پر یہ میری نعمت ہے کہ میں نے اُن کو ان مویشیوں کا مالک بنا دیا ہے

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ اور میں نے ان جانوروں کو اُن کے تابع کیا ہے۔اُن کے قابو میں دیا ہے فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ تو بعض پر وہ سواری کرتے ہیں۔مثلاً اونٹ، گھوڑا، گدھا اور خچر وغیرہ سواری اور بار

بر داری کے جانور ہیں وَمِنۡهَا يَاۡكُلُوۡن اور بعض ایسے جانور ہیں۔ جن کا یہ گوشت کھاتے ہیں اور دودھ پیتے ہیں۔ مثلاً گائے، بھینس، بکری اور دُنبہ وغیرہ!

﴿۷۲﴾ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اوران کے لئے ان حیوانات اور مویشیوں میں بہت سارے فائدے ہیں اور پینے کے فواید بھی ہیں۔

اَفَلَا يَشۡكُرُوۡن یہ تمام نعمتیں تمہارے مویشیوں میں، تمہاری غذا میں اور تمہارے بدن میں کس نے پیدا کی ہیں؟ اے انسان! یہ تمام نعمتیں میں نے پیدا کی ہیں! میرے سوا اور کسی نے پیدا نہیں کیں! اس کے باوجود تم اللہ کے نبی پر ایمان نہیں لاتے! تم قرآن سے انکار اور نبی کی مخالفت کیوں کرتے ہو! اس کے باوجود تم کافر کیوں ہوتے ہو؟! کفرانِ نعمت کیوں کرتے ہو؟ تم ان لاتعداد اور بے پایاں نعمتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکریہ کیوں ادا نہیں کرتے اور شیطان کی اطاعت سے منہ موڑ کر سراسر اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت، بندگی اور عبادت کیوں اختیار نہیں کرتے؟!

درس نمبر ۷

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ﴿۷۴﴾ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ
نَصۡرَهُمۡ وَهُمۡ لَهُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ اِنَّا نَعۡلَمُ
مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ﴿۷۶﴾ اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا
هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِىَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ
الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ﴿۷۸﴾ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ
خَلۡقٍ عَلِيۡمُ ۙ﴿۷۹﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ
اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ﴿۸۰﴾ اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ
شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ
شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴿۸۳﴾

ترجمہ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

اور پکڑے ہیں ان مشرکوں نے ما سوا اللہ کے معبود ! (معبود خواہ حق کے

لَّعَلَّهُمْ

ہوں یا باطل کے، خدایا غیر اللہ سب اِلٰہ کے مفہوم میں آتے ہیں) کس لئے؟ تا کہ ان کی

يُنْصَرُوْنَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ

امداد کی جائے طاقت نہیں رکھتے یہ معبود ان باطل ان کی امداد کی بلکہ یہ سب

جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

انہی معبودوں کے لئے حاضر باش لشکر ہیں۔ یارسول اللہ !یہ جو مختلف

اِنَّا نَعْلَمُ

اعتراضات رسالت پر کرتے ہیں تو خفا نہ کردیں آپ کو باتیں ان کی ۔ میں عالم ہوں

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

ان سب پر جو یہ پوشیدہ کہتے ہیں اور جو یہ اعلانیہ کرتے ہیں! تو کیا انسان نہیں دیکھتا کہ

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ

میں نے اس کو پیدا کیا ہے نطفے سے پھر یہ صاف جھگڑنے والا اور بحث کرنے والا ہوگیا

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ط

اور میرے لئے مثالیں بنا تا ہے اور اپنی خلقت (پیدائش) بھول گیا ہے (کہ کیسے بنا

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ

ہے، کس نے بنایا ہے؟) یہ کہتا ہے کون ہے جو زندہ کرے گا یہ ہڈیاں جب یہ بوسیدہ ہوگئیں ہوں؟

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط

کہہ دیجئے یہ بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کرے گا وہ ذات جس نے پہلی دفعہ ان کو پیدا کیا ہے!

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ

اور وہ سب پیدائش پر عالم ہے (انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات سب پر عالم ہے)

نِ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ

اللہ تو وہ ذات ہے کہ اس نے پیدا کی ہے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پھر تم وہ

اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

آگ تاپتے ہو اس سے گرمی حاصل کرتے ہو تو کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے پیدا کئے ہیں آسمان

وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى

اور زمین قادر اس بات پر کہ پیدا کردے مثل اس کے؟ کیوں نہیں (ہاں)

وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ

اور وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا نہایت عمدہ کرسکتا ہے چیزوں کو اور بہت عالم ہے اس کے لئے

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ

کیا مشکل ہے اس کا حکم ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے اور صرف

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

اتنا کہے اُس کو کہ ہوجا تو ہوجاتی ہے (وہ کسی کام کے لئے کارخانے، اسباب و اوزار کا محتاج نہیں)

فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ

پس پاک ہے شرک سے اور ہر عیب ونقصان سے وہ ذات کہ اس کے ہاتھ میں

کُلِّ شَیۡءٍ

ملکوت ہر چیز کی ہے (یعنی ہر چیز کی روح اس کے دست تصرف میں ہے)

وَّاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ

اور تم اُسی ذات کی طرف واپس جاؤ گے!

تشریح وتفسیر

سورۂ مبارکہ اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ اس کا اصل اور بنیادی مضمون تو رسالت کا تھا۔ مگر توحید اور آخرت بھی ساتھ ساتھ آتے گئے۔ آج کا یہ آخری سبق ان سب کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں رسالت، توحید اور آخرت تینوں کو کمال خوبی کے ساتھ سمیٹ کر نقطۂ اختتام تک پہنچایا گیا ہے!

گزرے ہوئے سبق میں کہا گیا تھا کہ اللہ کے احسانات پر غور کرو! اس نے تمہارے لئے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں! زمین اور اس کی نباتات ہیں۔ چاند اور سورج ہیں، کشتیاں اور جہاز ہیں، سواری اور بار برداری کے جانور ہیں اور ایسے مویشی ہیں۔ جن کا تم گوشت کھاتے اور دودھ پیتے ہو۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود تم اس اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کا سہارا لیتے ہو۔ قانون یہ ہے اور انصاف کا

تقاضہ بھی یہی ہے کہ جو ہستی تمہارے ساتھ احسان کرے۔ تم اسی کی تعریفیں کرو ''جس کا کھائے اس کا گائے'' تو اے انسان! تم پر اللہ نے پے در پے اتنے احسانات کئے ہیں اور اتنی نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں۔ مگر اس کے باوجود تم سخت احسان فراموش اور بے حد ناشکر گزار رہو!!

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً اور انہوں نے اس اللہ کو (جس نے ان پر اتنے احسانات کئے ہیں) چھوڑ کر اس کے ماسوا اور باطل معبود پکڑے ہیں! کس لئے؟ جن ہستیوں کو اپنا معبود بناؤ گے اور اُن کی عبادت اور اطاعت کرو گے۔ تو وہ تمہاری حاجت روائی کریں گے۔ تم سے تکلیف، بیماری اور مصیبت وغم دور کریں گے! تمہیں فائدے کا کام دیں گے! تو وہ ہستی اللہ کے سوا اور کون ہو سکتی ہے! مگر یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کے آگے جھکتے ہیں! لوگ کہتے ہیں کہ یہاں معبودان باطل میں انسان کا نفس، برادری، دنیا پرستی، مال ودولت، جاہ ومنصب اور زمین اور جائیدادیں وغیرہ سب شامل ہیں! اللہ کے ماسوا اور کس چیز میں اتنی طاقت ہے!!

لَعَلَّهُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ تاکہ ان کی امداد کی جائے! خیال کیجئے۔ یہاں اصل نکتہ امداد کا ہے! یہ چیز میرے کام آئے گی! ہر ممکن ذریعے اور وسیلے سے دولت حاصل کی جائے۔ چاہے اس سے خدا ناراض کیوں نہ ہو! خدا ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے مگر خویش واقارب اور برادری ناراض نہ ہو جائیں، خدا ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے مگر بیوی، بچے راضی رہیں! یہ تمام بُت ہیں! معبودانِ باطل ہیں جن کی خاطر یہ نادان اس لئے اللہ کا حکم چھوڑتے ہیں کہ یہ مشکل اور کٹھن وقت میں ان کے کام آئیں گے اور اُن

کی امداد کریں گے! لیکن حقیقت دراصل یہ ہے کہ **لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ** یہ معبودانِ باطل ان کی کسی قسم کی امداد کی طاقت نہیں رکھتے! مصیبت کے وقت اور آزمائش کی گھڑی میں یہ ان کے کسی قسم کی امداد کی طاقت نہیں رکھتے! مصیبت کے وقت اور آزمائش کی گھڑی میں یہ ان کے کسی کام نہ آسکیں گے اور اس وقت ان کی آنکھیں کھل جائیں گی! اگر یہ معبودانِ باطل ان کے کسی کام آسکتے تو جس وقت سابق شاہِ ایران پر افتاد پڑی۔ تو اس کے سارے خزانوں، فوجوں، اسلحے کے انباروں اور سپر پاور امریکہ کی امداد نے اس کو جلاوطنی اور تباہی سے بچایا ہوتا! اور ہمارے ملک کی یہ سیاسی پارٹیاں جو وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں۔ یہ لیڈر اور حکمران جو اقتدار میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بے آبرو ہو کر نکال دیئے جاتے ہیں یا فنا کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں۔۔۔۔ ان کے پاس تو سب کچھ ہوتا ہے، ہر قسم کے مادی ذرائع و وسائل کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر ضرورت اور افتاد کے وقت کیوں ان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں؟!

''معبودانِ باطل'' سے صرف ''بت'' ہی مراد نہ لیں! آج کل پتھر کے بُت کہاں ہیں! مگر اس کے باوجود اس آیت کے مخاطب ہم بھی ہیں! اللہ کے ماسوا اور کسی چیز سے اگر ہم یہ طمع اور توقع رکھیں کہ یہ مصیبت اور ضرورت کے وقت میرے کام آئے گی تو وہ معبودِ باطل ہے۔ خواہ پیسے ہوں، مال و جائیداد ہو، جاہ و منصب ہو یا پارٹی اور اقتدار وغیرہ ہو، یہ سب بذاتِ خود مضر اور مذموم نہیں بشرطیکہ خدا کا حکم پس پشت ڈال نہ دیا جائے۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ **اِحْرِصْ عَلٰی مَایَنْفَعُكَ** جو چیز تمہیں نفع دیتی ہو اس پر حرص کرو یعنی اس کو حاصل کرو۔ بشرطیکہ خدا کی اطاعت پس پشت نہ ڈالی

جائے! نکتہ بس یہی ہے!!

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ یہ عابد اپنے معبودوں کے لئے حاضر باش لشکر ہوں گے! یہاں معبودوں سے اگر ہم بُت مراد لیں تو آیت کی توجیہہ اور تفسیر صحیح اور موزوں نہیں ہوتی! بتوں کو تو ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، انہیں خریدتے بھی ہے اور بیچتے بھی! اور ان کے لئے مٹھائی بھی لاتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے ہم پیسے مراد لیں تو پیسوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، ہر جائز و ناجائز ذریعے سے انہیں حاصل کرتے ہیں اور ہمارے ذہن میں ہر وقت ان کے جمع کرنے کی دُھن لگی رہتی ہے۔ اسی طرح زمین کی نگہداشت اور نشو و نما میں بھی تم بہت محنت و مشقت کرتے ہو اور اس کی پیداوار جمع کرتے رہتے ہو۔ اسی طرح بیوی اور بچوں کیلئے بھی تم دن رات محنت و جاں فشانی سے کام لیتے ہو اور ہمیشہ ان کے حاضر باش اور بے دام غلام بنے رہتے ہو!

تم جن چیزوں کا آسرا کرتے ہو، اُن پر بھروسہ کرتے ہو اور اُن کے لئے خدا کو چھوڑ دیتے ہو تو تم اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہو کہ یہ چیزیں ضرورت اور مصیبت کے وقت تمہارے کام آئیں گی مگر فی الحال تو تم اُن کے کام آرہے ہو! مال و دولت کے حصول کے لئے تم دن رات ایک کر دیتے ہو اور رات دن تمہاری ایک ہی پکار ہوتی ہے کہ ہائے پیسہ! ہائے پیسہ! اسی طرح تم دن رات بیوی بچوں کی خدمت اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں جُتے رہتے ہو! تو اب یہ مضمون بالکل صاف ہو گیا ہے کہ باطل معبودوں سے مراد فقط بُت نہیں ہیں بلکہ وہ ساری چیزیں بھی ہیں۔ جن کا ذکر ہو چکا۔ اور جن کا رضائے الٰہی سے تصادم آتا ہے!!

مخالفین کے سارے اعتراضات رسول اور رسالت پر ہوتے تھے اور اُن کے اعتراضات اس قدر نامعقول اور ان کی باتیں اس حدتک بے ہودہ، پایہ تہذیب و متانت سے گری ہوئی اور دل آزاد ہوتی تھیں کہ کوئی صادق اور حساس انسان انہیں برداشت نہیں کرسکتا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخر ایک انسان تھے وہ رات دن انسانوں کی صلاح وفلاح کی فکر میں رہا کرتے اور لوگوں کو بڑی دلسوزی کے ساتھ اسلام کی صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے رہتے تھے تو اس کے باوجود جب یہ لوگ بد تمیزی اور ہٹ دھری سے کام لیتے اور الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے تو حضورؐ کی آزردگی اور دلِ شکستگی فطری امر تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ حضورﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے

فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ان لوگوں کی باتوں سے آپ ہرگز ملول ومحزوں نہ ہوں۔ان کی لغو اور بے ہُودہ باتوں کی آپ کوئی پرواہ نہ کیجئے۔کیونکہ میں ذمہ دار ہوں! جو کچھ ان کے دِلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ اعلانیہ کہتے اور کرتے ہیں۔اُن سب کا مجھے اچھی طرح علم ہے! کیا مطلب؟ یہ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں بلکہ کاہن، شاعر اور جادوگر ہیں! جو کلام آپ پیش کررہے ہیں یہ اللہ کا کلام نہیں ہیں بلکہ آپ نے خود گھڑ کر پیش کیا ہے۔مگر ان کو معلوم نہیں ہے کہ یہ اپنے گھروں میں آپ کے متعلق انفرادی طور پر کیا کہتے ہیں۔یہ تو مقابلے کا معاملہ ہے۔پبلک میں جو کچھ یاوہ گوئی کرتے ہیں۔حسد اور بغض سے کہتے ہیں!

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ابولہب کے متعلق نکل گیا کہ خدا تمہارے بیٹیوں کو بھیڑیئے کے حوالے کردے۔کچھ عرصہ بعد تجارت کے لئے شام کو

جارہا تھا اور اس کے بیٹے بھی ساتھ تھے۔رات کو اُس نے قافلے والوں کو کہا کہ میرے ان بیٹوں کو لوگوں کے بیچ میں سُلا دو۔کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلی ہوئی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی! وہ واقع ہوکر رہتی ہے۔یہ وہی دشمنِ اسلام ابولہب تھا جس کی مذمت میں قرآن کی سورت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ آئی ہے! اس کو کامل یقین تھا کہ حضورؐ کا فرمان مبارک پورا ہوکر رہے گا اور واقعی درندہ آکر میرے بیٹوں کو پھاڑ ڈالے گا! اور اُس کو جس بات کا اندیشہ تھا۔وہی ہوا کہ رات کو بھیڑیا آگیا اور لوگوں کے درمیان سے اُس کے بیٹوں کو اُٹھالے گیا۔۔۔ابوجہل کہتا تھا کہ یَا مُحَمَّدُ اِنَّا لَا نُكَذِّبُكَ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہیں نہیں جھٹلاتے۔کیونکہ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا وَلٰكِنْ نُكَذِّبُكَ بِمَا جِئْتَ بِهٖ بلکہ تم جو تعلیم پیش کرتے ہو ہم اُس کو جُھٹلاتے ہیں! تعلیم تو خدا کی ہے اس لئے اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ اُن کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور رسول اللہؐ عقلمند اور بالغ نظر انسان ہیں۔ان کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ حضور رسول اللہؐ دیانت دار سچے اور بے غرض انسان ہیں۔مگر پھر بھی یہاں کہتے ہیں کہ آپ خود غرض، مجنون اور ساحر وغیر ہیں وَمَا یُعْلِنُوْنَ اور یہ لوگ ظاہر میں اعتراضات کرتے ہیں۔مگر ان کے دلوں میں پوشیدہ طور پر کچھ اور ہے۔اللہ کہتا ہے مجھے سب امور کا علم ہے۔جو کرنا چاہتے ہیں کرتے رہیں کچھ پرواہ نہیں۔اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیں! تو اب یہاں اُن کی شکست خوردگی کا نکتہ آگیا!

انسان کے جسمانی اعضا میں اہم ترین عضو ’’دل‘‘ ہے۔جب کسی آدمی کا دل بیٹھ جائے اور شکست خوردہ ہوجائے تو پھر وہ کسی قسم کے مقابلے کے قابل نہیں

رہتا۔یعنی دل ہارنے والا انسان مقابلہ نہیں کر سکتا! چونکہ یہ کفّار شکست خوردہ تھے اور دل ہار بیٹھے تھے۔اس لئے وہ رسول اللہ کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتے تھے اور اُن سے جو کھسیانی اور خفیف حرکات سرزد ہوتی تھیں۔وہ اُن کی ضد اور ہٹ دھری کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ایک موقع پر ابوجہل نے کہا تھا کہ یہ محمد ﷺ جو کچھ کہتا ہے۔غلط اور ناروا نہیں کہتا۔مگر عرصہ دراز سے اس کے ساتھ ہمارا قوم، قبیلے اور برادری کا مقابلہ ہوتا آیا ہے۔ہم ان سے کسی بات میں کم تر نہیں ہیں۔یہ بھی کام کرتے تھے اور ہم بھی! یہ بھی کھانا دیتے تھے اور ہم بھی دیتے تھے۔یہ بھی مہمان نوازی کرتے تھے اور ہم بھی کرتے تھے۔مگر اب اس خاندان میں ایک رسول اور نبی پیدا ہو گیا ہے۔جس کی وجہ سے یہ ہمارے خاندان سے سبقت لے گیا ہے! ہم اپنے خاندان کے لئے نبی کہاں سے لائیں اور چونکہ ہمارے خاندان میں کوئی نبی نہیں ہے اس لئے ان کا نبی بھی ہم نہیں مانتے!

اس لئے اللہ فرماتا ہے کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ اگر آپ پر کچھ بے ہودہ اور لغو قسم کے الزامات لگاتے ہیں اور دل آزار باتیں کرتے ہیں۔تو آپ ہرگز محزوں و ملول نہ ہوں اور کچھ پرواہ نہ کریں۔کیونکہ ان کے دل شکست خوردہ ہیں۔یہ صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں ورنہ مجھے بخوبی علم ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کے متعلق کیا ہے!

تو اب اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ اے انسان! تو ذرا سوچ لے کہ تو خدا کے کلام اور یومِ آخرت پر کیوں شکوک وشبہات کرتا ہے:۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ کیا انسان نہیں دیکھتا کہ میں نے اس کو پیدا کیا ہے۔مگر کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ مِنْ نُّطْفَةٍ اس حقیر اور ناپاک بوند یعنی نطفہ (منی) سے پیدا کیا ہے کہ جب یہ بدن پر لگ جائے تو نہائے بغیر گذارا نہیں ہوتا۔جس شے پر یہ پڑ جائے وہ ناپاک ہو جاتی ہے! کتنی ذلیل اور نجس چیز ہے۔مگر اسی سے انسان جیسی ہستی کی تخلیق ہوئی ہے! تو پھر!

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ یہ ڈینگیں مارنے لگتا ہے صاف اور واضح طور پر جھگڑالو اور بحث کرنے والا بن جاتا ہے! انسان کی یہ ساری قوتیں، استعداد اور لیاقتیں اس میں کہاں سے آئیں؟! یہ کہاں سے ساتھ لایا تھا؟ یہ خدا نے پیدا کی ہیں یا اور کسی نے؟ یہ اس اللہ کا کام اور ذاتِ توانا و قادر کا کارنامہ ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ط اور میری بابت مثالیں بیان کرتا ہے۔میرے لئے مثالیں بناتا ہے! وَ نَسِيَ خَلْقَهٗ ط اور خود اپنی تخلیق بھلا بیٹھا ہے! اپنی پیدائش یاد میں نہیں لاتا کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ اور مجھے پیدا کر کے کیا کیا کچھ بنا ڈالا! بادشاہ، وزیر، جرنیل، عالم، ولی وغیرہ وغیرہ! اور ان سب کو کس چیز سے بنایا ہے! اچھا تو خدا کے لئے کیا مثال بناتا ہے؟

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ انہوں نے کہا کون ہے جو ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندگی دے گا؟ اس وقت ایک کافر آیا اور کسی قبر سے بوسیدہ ہڈیاں اٹھا لایا اور کہنے لگا "اے محمد ﷺ! یہ بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کیسے ہوں گی؟ یعنی یہ انسانی ہڈیاں جو گل سڑ کر بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ان کو کون دوبارہ زندہ کر سکے گا!

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا یہ میرے لئے مثال دیتے ہیں مجھے بھی اپنی طرح سمجھتے ہیں کہ چونکہ انسان مردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔اس لئے خدا بھی نہیں کر سکتا!

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط کہہ دیجئے! ان کو جواب دے دیجئے! یہ کہتے ہیں مردوں کو کون زندہ کرے گا۔بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندگی کون عطا کرے گا؟ اس کا نہایت مختصر، معقول اور اطمینان بخش جواب ہے۔

کہہ دیجئے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہ ذات قادر و توانا دوبارہ زندہ کرے گی۔ جس نے پہلی بار ان کو پیدا کیا تھا! یہ ہڈیاں پیدا کس نے کی ہیں؟ آغاز میں تو فقط نطفہ تھا اور کچھ نہیں تھا۔اسی ایک بوند سے انسان بنا پھر اس کی ہڈیاں بن گئیں! تو پہلی بار ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوسری بار بھی ان کو پیدا کر سکے گا! دوسری بار تو وہ مادہ بھی موجود ہے۔حالانکہ پہلی بار وہ مادہ بھی نہیں تھا! یہ اس کے لئے کونسا مشکل کام ہے! (یہ قیامت کا مضمون ہے!)

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ اور وہ تمام خلق پر عالم ہے! جب یہ انسان کچھ نہیں تھا تو میں نے اس کو پیدا کیا۔مادہ اور میٹریل کچھ نہیں تھا۔تو یہ پیدا ہوا بڑا ہو گیا اور جب مر گیا تو اس سے ''روح'' نکل گئی۔وہ بھی موجود ہے! اس کے بدن میں پانی تھا تو وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے! اس کے بدن میں ''مٹی'' تھی وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے! یہ اجزاء سارے کے سارے موجود ہیں۔مگر منتشر صورت میں! وہ منتشر اجزاء سارے کے سارے موجود ہیں! اللہ کہتا ہے مجھے معلوم ہے کہ کہاں مٹی ہے، کہاں پانی ہے، کہاں اس کی ہڈیاں ہیں، کہاں اس کی کھال ہے، کہاں بال

ہیں اور کہاں اس کے ناخن ہیں! میں ان تمام اشیاء کا کامل علم رکھتا ہوں۔تو کیا میں ان منتشر اجزاء کو پھر اکٹھا کر سکنے سے عاجز ہوں؟ میں یقیناً ان تمام منتشر اجزاء کو پھر اکٹھا کر کے انسان کو دوبارہ زندہ کروں گا!! اب ایک اور مثال دیتا ہے!

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ متضاد کا ملاپ اور متضاد اشیاء کا جمع کرنا تو اس کا کام ہے! اس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی ہے۔آگ گرم چیز ہے، جلانے والی ہے! درخت سرسبز ہے! پانی نرم اور ملایم ہے! پھر کس نے انہیں ایک جگہ رکھا ہے؟ آگ اور پانی کو ملایا ہے! خدا آگ اور پانی کو یکجا کرتا ہے! اگر درخت میں آگ نہ ہوتی تو تم لوگ آگ کہاں سے جلاتے! درخت کی لکڑیوں ہی سے تو آگ جلائی جاتی ہے! تو اس درخت میں آگ بھی موجود ہے اور پانی بھی! دونوں متضاد چیزوں کو اللہ نے یک جا کر دیا ہے! **فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ** پھر تم یہ آگ تاپتے ہو۔اس کو جلا کر اس سے گرمی پیدا کرتے ہو! تو اس ذاتِ قادر و توانا کے لئے اس میں کیا مشکل ہے! تم تعجب اور اچنبے میں کیوں پڑتے ہو؟ تم اپنے آپ پر کیوں قیاس کرتے ہو کہ چونکہ ہم نہیں کر سکتے تو خدا بھی نہیں کر سکتا۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کیا جس ذات نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں وہ اس امر پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کی طرح پھر کسی کو پیدا کر دے؟! آسمانوں میں چاند، سورج، ستارے اور کہکشاں وغیرہ سب شامل ہیں اور زمین میں دریا، سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ وغیرہ

ہیں! خدا سلسلۂ کوہ ہمالیہ جیسا عظیم، رفیع اور مہیب پہاڑ تو پیدا کرسکتا ہے۔ کیا انسان کو پیدا نہیں کرسکتا؟! عظیم اور اتاہ سمندر اس نے بنائے ہیں اور انسان میں دوبارہ روح نہیں ڈال سکتا؟! یہ کونسا مشکل کام ہے! بَلٰی کیوں نہیں! وہ قادر ہے! وہ یقیناً ایسا کرسکتا ہے! مرنے کے بعد جب تم خاک میں مل کر خاک ہوجاؤ گے تو وہ تمہیں حساب کتاب کے لئے ایک دن پھر زندہ کردے گا!

وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ خلاق، خالق کا مبالغہ ہے! وہ تو بہت زیادہ پیدا کرنے والا اور ہر قسم کی تخلیق پر قادر ہے! وہ ہر طرح سے پیدا کرسکتا ہے وہ ہر چیز پر عالم ہے۔ اس کے پاس تمام ہتھیار ہیں تمام اسباب و وسائل ہیں اس کے لئے کونسی چیز مشکل ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اللہ کا کام تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق ارادہ کرتا ہے تو صرف ''کُنْ'' (ہوجا) کہتا ہے اور وہ چیز ہوجاتی ہے! یہ ''کُنْ'' بھی نہیں کہتا۔ وہ ''کُنْ'' کہنے کا محتاج بھی نہیں۔ جونہی اس کا ارادہ ہوجائے وہ کام ہوجاتا ہے! تو خدا کے لئے کونسا مشکل کام ہے! تم کیوں کہتے ہو کہ مردے کیسے دوبارہ زندہ ہونگے! اور جب مردے زندہ نہیں ہوں گے تو کسی قسم کا حساب اور باز پُرس بھی نہیں ہوگا اور جب حساب اور باز پُرس نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کرو! نہیں یہ غلط بات ہے!۔

لٰہذا **فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ** اس لئے پاک ہے ہر عیب سے، پاک ہے عبث کاموں سے اور پاک ہے شرک سے وہ ذات جس کے ہاتھ

میں ہر شے کی ''ملکوت'' ہے! یہاں اللہ کا ہاتھ کہا گیا ہے مگر اللہ جسم نہیں رکھتا۔ اس کے ہاتھ بھی اسی وجہ سے نہیں ہیں۔ چنانچہ یہاں ہاتھ سے مراد اس کی قدرت کے ہاتھ ہیں۔ یعنی اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں! اب ہم اس آیت کا ترجمہ یوں کریں گے پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی ''ملکوت'' ہے!۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ''ملکوت'' کیا ہے؟ ایک ہوتی ہے شے (چیز) اور ایک اس شے کی ملکوت ہوتی ہے! شے (چیز) اس ظاہر کو کہتے ہے اور ''ملکوت'' اس کے باطن یعنی روح کو کہتے ہیں! مثلاً اسی سورۂ مبارکہ میں اس سے قبل ارشاد ہوا تھا کہ میں ان کے منہ پر مہر لگادوں گا تو ان کے ہاتھ باتیں کرنے لگیں گے اور پاؤں بھی باتیں کرنے لگیں گے! ایک اور مقام پر قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ان کی آنکھیں، کان اور بدن کی چمڑی سب باتیں کرنے لگیں گے اور ان پر گواہی دیں گے! تو اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے! جب آنکھیں انسان پر گواہی دیں گی، کان گواہی دیں گے اور انسان کے اپنے ہاتھ پاؤں اور بدن کا چمڑا اس پر گواہی دیں گے تو وہ انسان کہاں چلا گیا؟ یعنی انسان انہی اعضائے جسم کا مجموعہ ہے تو یہی اعضا جب گواہی دیں گے تو کس پر؟ کس انسان پر گواہی دیں گے؟ خیال کیجئے خوب غور و تدبر کیجئے! اور اپنے آپ کو پہچانئے! کہتے ہیں کہ فلاں اپنے آپ ہی سے بے خبر ہے! اپنے آپ کو نہیں پہچانتا! اپنے آپ کو پہچانو! یہی وہ موقع ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ۔ **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ** اگر تم اپنے رب کی معرفت چاہتے ہو۔ تو اپنے آپ کو پہچانو! کیونکہ ''عرفانِ نفس'' ہی ''عرفانِ رب'' کا ذریعہ اور وسیلہ ہے!

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے یہ ہاتھ، پاؤں ،ناک، کان ،آنکھیں وغیرہ سارا بدن یہی ہے!تم کہتے ہو کہ ان اعضائے جسمانی سے ''میں'' بنتا ہوں یہی ''میں'' ہوں !مگر یہ اعجائے جسمانی تو بیل اور گدھے کے بھی ہوتے ہیں!جس کو ''انسان'' کہا جاتا ہے وہ یہ تو نہیں ہے!اے انسان!تو تو مسجودِ ملا یک ہے!ملائک تو ایک نوری مخلوق ہے پھر انہوں نے تجھے سجدہ کیوں کیا تھا؟! ؎

گر نہ بودے ذات حق اندر وجود   آب وگل را کے ملک کردے سجود!!

ارے تیرے اندر تو حق موجود ہے۔اگر حق نہ ہوتا تو فرشتے تجھے سجدہ کیوں کرتے!تو ایک ملک اور ایک ملکوت ہے!تو ہر چیز کی وہ روح ہے،روح جمادی،روح نباتی،روح انسانی!تو جس طرح یہ ظاہر کا انسان ہے۔اسی طرح باطن میں بھی ایک انسان ہے۔ اس کا بھی سر سے لے کر پاؤں تک ایک جسم ہے۔''انسان'' حقیقت میں وہی ہے۔یہ ظاہری انسان تو محض ایک ڈھانچہ اور پنجرہ ہے۔اس کو ایک مکان سمجھ لیجئے یا ایک لباس!یہ انسان نہیں ہے!!تو اب ذرا غور کیجئے۔ہم جتنی جتنی بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ جو طرح طرح کے گناہ کرتے ہیں تو اسی ''ظاہر'' ہی کے لئے تو کرتے ہیں!تا کہ میرا یہ پیٹ بھر جائے!میں وجیہہ اور خوبصورت نظر آؤں!میں صحت منداور طاقتور بن جاؤں! یہ ظاہری جسم اصل انسان نہیں ہے!اے انسان تو اس جسم کے لئے رات دن دوڑ دھوپ میں مصروف ہے کہ یہ بدن خوبصورت بن جائے مضبوط ہو جائے!مگر کل یہی جسم تیرے خلاف گواہی دے گا!اس لئے اچھی طرح جان لے کہ تو یہ ظاہری جسم نہیں ہے۔تو جو ہے وہ تو کچھ اور ہے!

تو دیکھئے اس کو کہتے ہیں ملکوت! سمجھے؟ملکوت وہ باطنی روح ہے!ہر شے کی ایک ملکوت ہے!ہر چیز کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی!یہ جن چیزوں کا ہمیں اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعے ادراک ہوتا ہے۔اس کو ''عالم اجساد'' کہتے ہیں یعنی ''دنیائے جسمانیات'' اقبالؒ کی زبان میں اس کا نام ''عالمِ رنگ و بو'' اور تصوف کی اصطلاح میں ''عالم ناسُوت'' ہے۔پھر ''عالم ملکوت'' ہے اور وہ روح ہے۔ ''عالم جبروت'' ہے اور وہ ''نور'' ہے۔اس کے بعد ''لاہوت'' ہے اور پھر اس کے بعد ''ہاہوت'' ہے۔یہ سارے عالم ہیں کائنات میں!تجھے کیا خبر ہے اپنے آپ کی!

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اس ذات قادر وتوانا کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی ''روح'' ہے۔اس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی ''لگام'' ہے!یہ اصطلاح بھی ان قرآنی الفاظ کے مفہوم کی ادائیگی کے لئے موزوں ہے!گھوڑے کی لگام جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔گھوڑا اسی کے قابو میں ہوگا۔کیونکہ قابو لگام کے بل پر ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی روح بھی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہوتی ہے۔ایک اور جگہ حدیث کے الفاظ ہیں۔قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اَصْبَعَيْنِ الرَّحْمٰنِ مومن کا دل خدائے رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے(یعنی اچھی طرح اس کے قابو میں ہے)اور جس طرح اللہ چاہتا ہے اس دل کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ دل بادشاہ اور حکمران ہوتا ہے یہ وہی ''دل'' ہے۔جب تمہارے دل میں کوئی بات آجائے۔تب کرتے ہو۔جو ارادہ دل میں نہ ہو اس کو ''جسم'' نہیں کرتا!اس لئے باطن کا انسان وہی ہے! سمجھے؟تم اپنی ساری توجہ اس باطن

کی طرف مبذول کرو! اس کو بچاؤ! یہ ''ظاہر'' اگر بگڑ بھی جائے۔ خراب و برباد بھی ہوجائے تو کوئی خرج نہیں! یہ اگر ننگا ہو، بھوکا ہو، پیاسا ہو، تمہاری بلا سے! مگر تمہاری وہ روح ، وہ ضمیر، وہ قلب اور تمہارا وہ باطن سلامت و محفوظ رہے۔ کیونکہ وہ ''روح'' ہے۔ **قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ** یہ روح رب کی طرف سے ہے۔

وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اب بھی خدا کے قبضے میں ہے۔ مگر تمھیں ذرا سی ڈھیل دی ہوئی ہے۔ تمہاری رسی تھوڑی سی ڈھیلی کی ہوئی ہے!! تم نے ایک جانور کی گردن میں رسی باندھی ہوئی ہے۔ رسی کا ایک سرا تم نے پکڑا ہوا ہے اور وہ جانور اطمینان سے چر رہا ہے! رسی کی ڈھیل سے وہ جانور سمجھتا ہے کہ وہ آزاد ہے۔ جہاں چاہے جا کر چر سکتا ہے۔ ایک جگہ، دوسری جگہ پھر پھر کر چرتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی بھی آخر ایک حد ہے! دس گز، پندرہ گز یا زیادہ سے زیادہ اٹھارہ، بیس گز! اس سے آگے اگر وہ جانے کی کوشش کرے بھی، تو ڈھیلی رسی تن کر اس کو آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔ وہ آگے نہیں جا سکتا اور اسے چاروناچار واپس ہونا پڑتا ہے! اور اس انتباہ کے باوجود وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہے کہ میں ''آزاد'' ہوں! آزاد کیسے ہے! وہ تو بندھا ہوا ہے۔ اسی طرح انسان کی روح بھی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کو تھوڑا سا اختیار دیا گیا ہے۔ کنٹرول شدہ اختیارات ہیں۔ تو ان ''محدود اختیارات'' ان کنٹرول شدہ اختیارات کو تم خدا کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق کیوں استعمال نہیں کرتے یہاں استعمال کرو گے تو **وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ** اس خدا، اس مالکِ یوم الدین کے پاس واپس جانا پڑے گا۔ اور اس کے حضور پہنچ کر اور اس کی عدالت میں

حاضر ہو کر اپنی ساری دنیاوی زندگی، اپنے جسم کے اعضاء اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا وہاں حساب چکانا پڑے گا کہ تم نے انہیں کیسے استعمال کیا اور دنیا میں تم نے کیسی زندگی بسر کی اور کیا توشۂ آخرت ساتھ لائے ہو!!